ABC سے تصدیق شدہ اشاعت
ماہنامہ
نور الحبیب
بصیر پور
جلد نمبر 34
جمادی الآخرہ ۱۴۴۳ھ
جنوری 2022ء
شمارہ نمبر 1
مدیرِ اعلیٰ
صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری

حضرت فقیہ اعظم ﷫

علم و عمل سراپا حضرت فقیہِ اعظم ﷫
اسلاف کا نمونہ حضرت فقیہِ اعظم ﷫

ذکرِ خدا ﷻ کے ہیرے ، عشقِ نبی ﷺ کے موتی
تدریس کا خزانہ ، حضرت فقیہِ اعظم ﷫

ذاتِ ابوحنیفہ ؓ کے جان و دل سے عاشق
گنج شکر ؓ کے شیدا حضرت فقیہِ اعظم ﷫

گو دہر میں ملی ہے اوروں کو بھی فقاہت
لیکن فقیہِ اعلیٰ حضرت فقیہِ اعظم ﷫

خدام جانتے ہیں ، اغیار مانتے ہیں
مسلک کا چہرہ مہرہ حضرت فقیہِ اعظم ﷫

عالم ، فقیہ ، مفتی ، عابد ، فقیر ، عارف
رکھتے ہیں وصف کیا کیا حضرت فقیہِ اعظم ﷫

شکلِ محبّ میں دیکھو ہم کو وہ دے گئے ہیں
کیا خوب اک نگینہ حضرت فقیہِ اعظم ﷫

وہ مہک بھی دے رہا ہے، اسے پھل بھی لگ رہے ہیں
جو گئے لگا تھے پودا حضرت فقیہِ اعظم ﷫

غوثِ الوریٰ ؓ کے صدقے منظور کیجے گا
فیضان کا ہدیہ ، حضرت فقیہِ اعظم!

پروفیسر فیض رسول فیضان

عرس حضرت فقیہ اعظم ﷫ و اجلاس دارالعلوم ، مورخہ 3-4 / فروری 2022ء ، جمعرات ، جمعۃ المبارک

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

اس شمارے میں

منظومات

حمدِ ربِ کائنات • نعتِ سرورِ کائنات

جو باغِ حمد سے رب نے کیے عطا غنچے
ہیں دل نشین و دل آویز و دل کشا غنچے
جو دیکھو تم تو ہے یہ بھی کرشمۂ قدرت
چٹکنے پر بھی نظر آئے بے صدا غنچے
کھلا جو منہ تو اسی سے بہاریں پھوٹ بہیں
ہیں یوں بھی قدرت قادر سے آشنا غنچے
یہ ذوالجلال کی قدرت کے سب مظاہر ہیں
مطیرِ ابر ، گلستاں ، فضا ، صبا ، غنچے
بندھے لبوں سے اور خاموشیوں کے بندھن میں
ہمیشہ کرتے ہیں رحمان کی ثنا غنچے
مشامِ جاں کو انہی سے خدا نے شاد کیا
یہ دیدہ زیب ، یہ پیارے سے ، عطر زا غنچے
ترے حضور یہ میری ہے التجا مولا!
قلوب اہلِ محبت کے تو کھلا غنچے
میں اِن کو دیکھ کے خالق کو یاد کرتا ہوں
یہ پھول حبّـــــــــذا محمود ، مرحبا غنچے!

سبدِ شعر میں لایا ہوں میں رکھ کر غنچے
پیش کرنے کو بدربارِ پیمبر ﷺ غنچے
یہ سرِ گلشنِ مداحِ سرور ﷺ غنچے
شہرِ آقا ﷺ کے تعطر کے ہیں مظہر غنچے
پا کے مولودِ شہِ ہر دو جہاں ﷺ کی خوش بو
اُنس و اخلاص کے کھل اٹھتے ہیں گھر گھر غنچے
مشک و عنبر کی اسے ہو نہیں سکتی خواہش
باغِ طیبہ سے جسے آئیں میسر غنچے
قلب میں عطرِ عقیدت کو چھپا کر ہوں گے
منتظر باغِ مدینہ کے نہ کیوں کر غنچے
بچے سرکار کی امت کے ہیں پیارے سب سے
سارے گلشن کا جو سوچیں تو ہیں جوہر غنچے
کھکھلاتے ہیں مدینے کی ہوا کو پا کر
وفرِ نغماتِ مناجات کے خوگر غنچے
جس کو سبطینِ نبی سے ہے محبت محمود
ایسے خوش بخت کا ہیں حسنِ مقدر غنچے

راجا رشید محمود

کچھ
بیاں
اپنا

عرس حضرت سیدی فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

مجمعِ علم وعرفاں، شیخ الحدیث والتفسیر، حجۃ الاسلام حضرت فقیہ اعظم مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قدس سرہ العزیز بلاشبہہ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول اور برگزیدہ بندوں میں سے ہیں، جن کا دوام جریدۂ عالم پر ثبت ہو چکا ہے---

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز اپنے دور کی نادرِ روزگار شخصیت تھے---علم وفضل، تقویٰ وطہارت، تنظیم وسیاست اور ہمت واستقامت میں یکتائے روزگار تھے---یوں تو تفسیر، حدیث اور دیگر تمام مروّج علومِ دینیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے لیکن فقہ میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا---آپ کے استاذ گرامی استاذ الاساتذہ حضرت سید دیدار علی شاہ محدث الوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''ابوالخیر'' کنیت عطا فرمائی، جب کہ ان کے صاحبزادے مفتیٔ اعظم مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فقیہ زماں، محدثِ دوراں، فقیہ العصر، فقیہ النفس (مجسمۂ فقاہت)، مفتیٔ اعظم اور فقیہ اعظم وغیرہ جلیل القدر القاب سے ممتاز فرمایا---ان گوناگوں اور متنوع القاب میں سے ''فقیہ اعظم'' کا لقب زبان زد خاص وعام ہے---آپ کے ہم عصر اکابر علماء نے بھی آپ کو ''فقیہ اعظم'' تسلیم کیا---

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز فتویٰ نویسی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے، آپ کی ذات مرجعِ خلائق تھی، ملک و بیرون ملک کے لوگ استفتاءات میں آپ کی طرف رجوع کرتے---فتاویٰ نوریہ کی چھ ضخیم جلدوں کے مطالعہ سے آپ کے تبحرِ علمی، وسعتِ نظر، عمیق مشاہدہ، قوتِ استدلال، صلابتِ رائے، جدتِ فکر اور فقہی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے---

حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز فنا فی حب المدینہ تھے---آپ کی شخصیت پر

علمی و دینی خدمات کی وجہ سے فقاہت وثقاہت کا غلبہ رہا، مگر درحقیقت آپ جہاں سپہرِ فقاہت کے درخشندہ آفتاب تھے، وہیں ملکِ ولایت کے شہریار بھی تھے--- عام طور پر لوگ خرقِ عادت قسم کے واقعات ہی کو معیارِ ولایت سمجھتے ہیں، حالاں کہ اصل اہمیت سیرت وکردار کی ہے---عشقِ مصطفیٰ، اتباعِ نبوی، شریعتِ مطہرہ پر عمل اور استقامت علی الحق ایسے تابندہ اوصاف ہی معیارِ ولایت، عینِ کرامت بلکہ کرامت سے بڑھ کر کرامت ہیں--- بحمدہٖ تعالیٰ حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی ان اوصاف سے مملو تھی--- آپ کا وجودِ باجود مجسمۂ کرامت تھا---آپ کی پوری زندگی اتباعِ نبوی اور عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عبارت تھی--- ان کا چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، غرض ہر ہر ادا سنتِ مصطفیٰ کے مطابق تھی---

حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً پچاس سال قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنون کا درس دیا، اسباق کی پابندی فرمائی---آپ نے درسِ حدیث کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رکھا--- آپ سے فیض یافتگان، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، ملکی اور عالمی سطح پر تحریری، تقریری، علمی، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کے ذریعے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں---

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ۴۰ واں سالانہ عرس مبارک اور آپ کی قائم کردہ عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف (اوکاڑا) کا ۸۳ واں سالانہ اجلاس دستارِ فضیلت و تقسیم اسناد ان شاء المولیٰ تعالیٰ یکم، دو رجب المرجب ۱۴۴۳ھ، بمطابق ۳-۴ر فروری ۲۰۲۲ء، بروز جمعرات، جمعۃ المبارک منعقد ہو رہا ہے---

یہ محض روایتی میلہ یا اجتماع نہیں بلکہ خالص علمی وروحانی پروگرام ہے، جس میں شرعی تقاضوں کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے اور تلاوتِ قرآن کریم، ذکرِ الٰہی، نعت خوانی اور عقائد، احکامات اور معاملات کے بارے میں علماء ومشائخ کے خطابات کے ساتھ ساتھ فکری وتربیتی حوالے سے بھی مفید گفتگو کا اہتمام کیا جاتا ہے--- ان محافل میں حاضری ہمارے لیے اور ہماری اولادوں کے لیے رہنمائی کا بہترین ذریعہ بن سکتی ہے---

حضور سیدی فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے وابستگان، متوسلین، معتقدین اور جملہ اہلِ اسلام کو پُرزور دعوت دیتا ہوں کہ وہ عرس سراپا قدس کی محافل میں اپنی شمولیت کو یقینی بنائیں اور روحانی فیوض وبرکات سے اپنے قلوب واذہان کو مستفیض ومستنیر کریں---

فضلائے دارالعلوم حنفیہ فریدیہ اور وابستگان فقیہ اعظم کو چاہیے کہ وہ اپنے علاقہ میں

مجالس مشاورت قائم کریں اور عرس واجلاس میں شمولیت کے انتظامات کو حتمی شکل دیں، اپنے اپنے علاقہ کے اہم مقامات پر فلیکسز/ بینرز آویزاں کریں--- سوشل میڈیا، واٹس ایپ میسج، فیس بک، میسنجر، کیبل اور دیگر ذرائع سے علاقہ کے عوام تک اس روحانی پروگرام کے انعقاد کی اطلاع پہنچائیں---

- عرس شریف میں شمولیت کا عزم رکھنے والوں کی ذہنی تربیت کریں کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت جلسہ گاہ میں گزاریں اور اطمینان کے ساتھ خطابات سنیں، نیز نمازوں کی پابندی کریں---
- عرس مبارک سے پہلے کے جمعۃ المبارک (28ر جنوری 2022ء) کو حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی حیات وخدمات کے موضوع پر خطبہ دیں---
- انتظامات اور لنگر کے اخراجات کے لیے عطیہ جات براہِ راست مرکز میں بھجوا کر رسید حاصل کریں---
- براہِ کرم اس روحانی پروگرام کو اپنا ذاتی پروگرام سمجھ کر اسے کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش فرمائیں--- اس بار چونکہ جمعرات اور جمعہ کو پروگرام ہے، اس لیے جمعہ کا متبادل انتظام کر کے دوروزہ تقریبات میں اپنی شمولیت کو یقینی بنائیں---

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کارِ خیر کے لیے احسن انداز میں اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق عطا فرمائے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ اجمعین

اطلاع برائے قارئین نور الحبیب

ماہنامہ نور الحبیب کا آئندہ شمارہ (فروری ۲۰۲۲ء) عرس کے مبارک موقع پر شائع ہوگا--- فضلائے دار العلوم، وابستگانِ حضرت فقیہ اعظم اور تقریب میں شامل ہونے والے دیگر قارئین سے گزارش ہے کہ وہ خریداری نمبر بتا کر دفتر نور الحبیب سے اپنا پرچہ دستی وصول فرمالیں--- بقیہ قارئین کے لیے پرچہ عرس کے بعد حوالۂ ڈاک کیا جائے گا--- ان شاء المولیٰ تعالیٰ

(صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری
مدیر اعلیٰ ماہنامہ نور الحبیب

بصیر پور شریف
۲۵ر دسمبر ۲۰۲۱ء

سانحۂ سیال کوٹ

مفتی منیب الرحمٰن حفظہ اللہ

3دسمبر 2021ءکوسیال کوٹ میں اسپورٹس گارمنٹ کی ایک فیکٹری میں انتہائی افسوس ناک اور ناخوش گوار سانحہ رونما ہوا، وزیراعظم اور تمام سیاسی و مذہبی قائدین سے لے کر عام شہری تک اور تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے اس پر تأسف کا اظہار کیا اور اس کی شدید مذمت کی، اظہارِ مذمت کی بابت بیان ریکارڈ پر موجود ہے۔ ہجوم نے قانون کو ہاتھ میں لیا، یہ بے حد قابلِ افسوس ہے، اس طرح کی روش سے معاشرے میں انارکی، بے امنی اور لاقانونیت پھیلتی ہے، جس کے نتائج وعواقب ملک کے لیے قومی اور عالمی سطح پر انتہائی نقصان دہ ہیں۔ ہم نے فوری طور پر اپنی طرف سے تاسف اور مذمت کا اظہار مندرجہ ذیل کلمات سے کیا:

''کل سیال کوٹ میں ایک انتہائی ناخوش گوار سانحہ رونما ہوا ہے، ہمیں اس سانحے کے حقائق اور واقعات کا علم نہیں ہے، بہرصورت ہم اس پر تاسف کا اظہار کرتے ہیں اور اس کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک آئینی اور قانونی نظام موجود ہے، اگرچہ اس کی شفافیت اور غیر جانب داری پر سوالات اٹھتے رہتے ہیں، تاہم اس کے ہوتے ہوئے قانون کو ہاتھ میں لینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس سے معاشرے میں انارکی اور لاقانونیت پھیلتی ہے، جو کسی بھی صورت میں ملک وملت کے

مفاد میں نہیں ہے اور عالمی سطح پر بھی پاکستان کا منفی تاثر پیدا ہوتا ہے، پاکستان پر کئی برسوں سے ویسے بھی ایف اے ٹی ایف کی تلوار لٹک رہی ہے۔ نیز میڈیا پر بھی لازم ہے کہ تحقیق وتفتیش اوراس کے نتائج آنے سے پہلے کسی فرد یا گروہ کوذمے دار قرار نہ دیں، کیونکہ یہ رویہ بھی شرعی، قانونی اوراخلاقی اعتبار سے درست نہیں ہے''---

ایسے واقعات رونما ہونے کے بعد لازم ہوتا ہے کہ جذباتیت اور دباؤ سے عاری ہوکر ان واقعات کا تجزیہ کیا جائے، آئندہ اس طرح کے واقعات کے سدباب اور پیش بندی کے لیے اس کے پیچھے کارفرما اسباب ومحرکات کی کھوج لگائی جائے، ملکی ایجنسیوں اور تحقیق وتفتیش کے اداروں کودباؤ سے آزاد ہوکر غیر جانب دارانہ اور منصفانہ انداز میں تحقیق کا موقع دیا جائے، تحقیق وتفتیش کے نتائج آنے سے پہلے فیصلہ صادر نہ کیا جائے۔ مگر ہمارے ہاں نہ ایسا ہوتا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، کیونکہ ہمارے ذرائع ابلاغ ایسا ماحول اور ایسی فضا پیدا کرتے ہیں کہ تحقیق وتفتیش کے ادارے دباؤ میں آجاتے ہیں اور معروضی انداز میں تحقیق کرنے کے بجائے موضوعی انداز میں تحقیق شروع ہوجاتی ہے، اس کے نتیجے میں اصل اسباب ومحرکات سے صرفِ نظر ہوجاتا ہے اور پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد یہ معاملہ فراموش کردیا جاتا ہے۔ ماضیٔ قریب میں نور مقدم کا کیس اس کی نمایاں مثال ہے۔

ہمارے لبرل میڈیا نے پہلے سے طے شدہ اپنی ذہنی ساخت اور سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق اور تحقیق وتفتیش کے نتائج آنے سے پہلے اس کا رخ چند نعروں کی آڑ لے کر ایک مذہبی تنظیم کی طرف موڑ دیا، یہ رویہ بحیثیتِ مجموعی غیر حقیقت پسندانہ، عقل ودانش اور تدبر وتفکر کے سراسر خلاف ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ ڈاکوؤں یا مجرموں کا کوئی گروہ لوٹ مار کرے، پھر ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ لگا کر منتشر ہوجائے اور سننے اور دیکھنے والے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ یہ واقعہ پاکستانی اداروں یا حکومتِ پاکستان کے ایماء اور آشیرباد کے نتیجے میں رونما ہوا ہے۔ الغرض منصوبہ بندی کے ساتھ کوئی بھی نعرہ لگایا جاسکتا ہے اور اس کا رخ کسی کی طرف بھی موڑا جاسکتا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ کہا کرتے تھے:

''اگر کوئی آپ کو کہے: کوا آپ کا کان لے اڑا''---

تو کوے کے پیچھے دوڑنے سے پہلے اپنے کان کو ہاتھ سے چھو کر دیکھ لینا چاہیے کہ وہ اپنی جگہ صحیح سلامت ہے یا نہیں ہے۔اس لیے ہم نے گزارش کی تھی:

''کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے پہلے تحقیقاتی رپورٹ کا انتظار کرنا چاہیے''---

بعد میں وزیر اعظم کے معاون برائے بین المذاہب ہم آہنگی مولانا طاہر اشرفی نے کہا:

''اس واقعے کے پیچھے کوئی مذہبی تنظیم نہیں ہے، یہ انتظامی نااہلی کا معاملہ ہے''---

مگر اس دوران مین اسٹریم کے درجنوں ٹیلی ویژن چینل اور سوشل میڈیا پر اسٹوڈیوز میں بیٹھ کر عدالتیں لگانے والے اینکر پرسن اور تجزیہ نگار تو اپنا حتمی فتویٰ صادر کر چکے تھے، یہ رویہ شرعی، قانونی اور اخلاقی اعتبار سے درست نہیں ہے، لیکن چونکہ ہمارے الیکٹرانک میڈیا پر لبرل عناصر کا غلبہ ہے، تو وہ دین کو ہدف بنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، اب جب کہ اصل واقعات چھن کر سامنے آرہے ہیں، تو اُن پر کوئی بات نہیں کر رہا اور سب نے چپ سادھ لی ہے۔

جب ہم حقیقت پسندانہ تجزیے کی بات کرتے ہیں اور دیگر اس طرح کے واقعات کا حوالہ دیتے ہیں، تو بدنیتی کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے، کہ گویا اس سانحے کا جواز پیش کیا جارہا ہے، حالانکہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا اور کسی مسلمان کی نیت پر ایسا شبہہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے ہاں ایسے مواقع پر اپنے مذہب، قوم و ملک اور حکومت کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانا شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر دوسرے ممالک میں ایسے واقعات رونما ہوں تو ہمارا رویہ مختلف ہوتا ہے۔ چند سال پہلے نیوزی لینڈ میں عین نمازِ جمعہ کے وقت دہشت گردی کا بڑا سانحہ رونما ہوا، کئی نمازی شہید کر دیے گئے، اس پر نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم جسینڈا آرڈن نے بہتر کردار ادا کیا تو ہمارے میڈیا اور پوری قوم نے ان کی تعریف و توصیف شروع کر دی، یہ اچھی بات ہے، لیکن یہاں تو ایک فرد کو ظالمانہ انداز میں قتل کیا گیا اور اس موقع پر ہماری حکومت نے مثبت رویہ اختیار کیا۔ اسے ایک طرح سے قومی المیہ قرار دیا، متاثرہ خاندان اور سری لنکا کی حکومت کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کیا، مقتول شخص کی میت کو خصوصی انتظامات کے تحت اسپیشل فلائٹ کے ذریعے سری لنکا بھیجا گیا، لیکن ہمارے میڈیا نے اس مثبت رویے پر

حکومت یا قوم کی تعریف نہیں کی، کیونکہ ہمیں صرف اپنے عیب تلاش کرنے اور خود کو ملامت کرنے میں لطف آتا ہے۔ایسا بھی نہیں کہ ایسا واقعہ روئے زمین پر پہلی بار رونما ہوا ہو، لاہور ہی میں مسیحی برادری نے دو مسلمانوں کو جلادیا تھا، میانمار میں کون سا ظلم ہے جو مسلمانوں پر نہ ڈھایا گیا ہو، بھارت میں مسلمانوں پر کون سے مظالم ہیں جو نہیں ڈھائے گئے، کینیڈا میں ایک ٹرک ڈرائیور نے ایک مسلمان پاکستانی فیملی کو صرف اس لیے اپنے ٹرک تلے کچل دیا کہ وہ مسلمان تھے،لیکن جس طرح محض ایک واقعے پر پاکستان کو نشانے پر رکھا گیا، دوسروں کے ساتھ یہ رویہ نہیں برتا جاتا۔

اسی طرح ایسے مواقع پر باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ''قانونِ تحفظ ناموسِ رسالت'' کو ہدف بنایا جاتا ہے، ہر برائی کو گھما پھرا کر اس قانون کے ساتھ نتھی کردیا جاتا ہے اور ہمارا میڈیا اس حوالے سے دانستہ یا نادانستہ طور پر عالمی ایجنڈے کا حصہ بن جاتا ہے، ماضی کے واقعات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کے ساتھ جوڑا جاتا ہے،تاکہ اس قانون کے بارے میں منفی ردّعمل پیدا ہو، یہ رویہ بھی درست نہیں ہے۔ان مواقع پر خاص طور پر علماء سے رابطہ کیا جاتا ہے اور اس کے پیچھے بھی یہ سوچ کارفرما ہوتی ہے کہ ان سانحات کی وجوہ و اسباب مذہب میں پیوست ہیں، یہ درست نہیں ہے، یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ اس میں علماء کا کردار کیا ہونا چاہیے،تو جواباً عرض ہے:

> ''علماء کی ذمے داری تقریر اور تحریر کے ذریعے اسلام کے پرامن پیغام کو پہنچانا ہوتا ہے،نفرتوں کو مٹانا ہوتا ہے، انسانی حقوق کی پاس داری اور قانون کی عمل داری کی ضرورت کا احساس دلانا ہوتا ہے، علماء کے پاس کوئی حکومتی یا انتظامی اختیارات نہیں ہوتے اور نہ کوئی حکومت اپنے اختیارات سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہوتی ہے'' ---

اگر سوال کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں آگہی پیدا کی جائے ،اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے، انسانی جان و مال اور آبرو کی حرمت کی بابت اسلام کے احکام کو بیان کیا جائے ،انسانی حقوق کی پاس داری کی تلقین کی جائے ،تو گزارش ہے کہ علماء اپنے پلیٹ فارم سے ایسا کرتے رہتے ہیں، لیکن اب جدید الیکٹرانک میڈیا کے سبب اطلاعات کی بہم رسانی، کسی سوچ اور فکر کو عام کرنے

اور اصلاحی کردار ادا کرنے کے حوالے سے الیکٹرانک میڈیا کو سب سے زیادہ رسائی حاصل ہے، لیکن ان کا مزاج ٹھہراؤ اور تلقین و تربیت کا نہیں ہوتا، بلکہ باہمی مسابقت کی وجہ سے سنسنی پھیلانے کو ترجیح دی جاتی ہے، شور و غوغا زیادہ کیا جاتا ہے، اپنے مذہب، قوم اور ملک و ملت کو ملامت کر کے لطف اٹھایا جاتا ہے۔ جتنا ہمارا میڈیا اپنے ملک کا منفی تاثر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، شاید ہی دنیا کے کسی ملک کا میڈیا اس طرح کرتا ہو۔ تصوف میں ایک ''فرقۂ ملامتیہ'' ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ دانستہ ایسی حرکات کرتے ہیں کہ لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بنیں، مرجعِ عقیدت نہ بنیں، لوگ اُن سے اور وہ لوگوں سے دور رہیں، سو! ہمارا میڈیا بھی اپنی قوم و ملک کا تاثر ''خود ملامتی'' اور ''خود مذمتی'' قوم کے طور پر پیش کرتا ہے، اس لیے ہم میڈیا سے اپیل کرتے رہتے ہیں کہ خدارا! کبھی اپنے ملک و ملت اور قوم کا اچھا تاثر اور اچھا تشخص بھی دنیا کے سامنے پیش کر لیا کریں۔

نیز ایسے مواقع پر تسلسل اور تکرار کے ساتھ اس موقف کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ ''قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت مآب ﷺ'' کو ذاتی انتقام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ اس قانون کے ضوابط کو آسان بنایا جائے، ایف آئی آر کو فوراً درج کیا جائے، اس طرح ملزم پولیس کی حفاظتی تحویل میں چلا جائے گا اور لوگ قانون کو ہاتھ میں نہیں لے سکیں گے اور پھر ان مقدمات کا ٹرائل براہِ راست فیڈرل شریعت کورٹ میں کیا جائے اور تحقیق و تفتیش اور مقدمات کے فیصل ہونے کی مدت ایک ماہ مقرر کر دی جائے، فیڈرل شریعت کورٹ میں دینی علم اور اچھی شہرت رکھنے والے قابل اور اہل ججوں کی تعیناتی کی جائے، اگر ملزم بے گناہ ہوگا تو جلد باعزت رہا ہو جائے گا اور اگر خدانخواستہ اس نے جرم کا ارتکاب کیا ہوگا تو اُسے سزا ملے گی، لیکن ہمارے ہاں ایف آر کے اندراج ہی کو مشکل ترین بنا دیا گیا ہے اور اس کا فائدے کے بجائے نقصان زیادہ ہو رہا ہے۔ سابق صدر جنرل پرویز مشرف بھی کہہ چکے ہیں کہ اہانتِ رسول کی آڑ لے کر لوگ مغربی ممالک جانے کے لیے اپنے لیے مواقع پیدا کرتے ہیں۔

افضل البشر بعد الانبیاء

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ علیہ

علماءِ اہل سنت و جماعت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَ لَا غَرَبَتْ عَلٰی اَحَدٍ اُفْضَلَ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا---[الصواعق المحرقۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۹۶]

''سوائے نبی کے اور کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس پر آفتاب طلوع اور غروب ہوا ہو اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہو''---

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں نبی کے بعد ان سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا۔

ایک دوسری حدیث شریف میں آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

اَبُوْ بَکْر خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا---[تاریخ مدینۃ دمشق]

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں، علاوہ اس کے کہ وہ نبی نہیں ہیں''---

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الناس یعنی لوگوں میں سب سے افضل ہیں، اگر کسی شخص نے اس کے خلاف کہا تو وہ مفتری اور کذاب ہے، اس کو وہ سزا دی جائے گی جو افتراء پردازوں کے لیے شریعت میں مقرر کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَیْرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّھَا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَبُوْ بَکْرٍ وَّ عُمَرُ---[مسند احمد]

''اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے بہتر حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں''---

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان سے تواتر کے ساتھ مروی ہے''---

[تاریخ الخلفاء، صفحہ ۳۱]

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں میں کون سب سے افضل ہے؟ فرمایا: أَبُوْ بَکْرٍ، ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں''، میں نے عرض کیا، پھر ان کے بعد؟ فرمایا: ''ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں''۔

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَشِیْتُ أَنْ یَقُوْلَ : عُثْمَانُ---

''میں ڈرا کہ اب اس کے بعد آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے''---

تو میں نے کہا کہ اس کے بعد آپ سب سے افضل ہیں؟

قَالَ : مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ---[مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۵۵]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں''---

یعنی از راہِ انکساری فرمایا کہ میں ایک معمولی مسلمان ہوں۔

بخاری شریف میں ہے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہم لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، یعنی وہی سب سے افضل و بہتر قرار دیے جاتے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بعد

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔ [مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۵۵]

حضرت ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر امتِ مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان، ان کے بعد حضرت علی اور پھر عشرۂ مبشرہ کے باقی حضرات سب سے افضل ہیں، ان کے بعد باقی اصحابِ بدر، پھر باقی اصحاب احد، ان کے بعد بیعتِ رضوان کے صحابہ اور دیگر اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ [تاریخ الخلفاء، صفحہ ۳۰]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور آیاتِ قرآنی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف میں قرآن مجید کی بہت سی آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں، یہاں تک کہ بہت سے بزرگوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ہم ان میں سے چند آیاتِ کریمہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں:

❶ ...... خدائے عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝ --- [الزمر:۳۳]

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور صَدَّقَ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ ایسا ہی تفسیر مدارک میں بھی ہے اور اسی کو حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی ہے اور تفسیر روح البیان نے بھی۔ لہٰذا ان مفسرین کرام کے بیان سے ثابت ہوا کہ خدائے عزوجل نے اس آیتِ مبارکہ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی متقی فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ اس امت کے سب سے پہلے متقی ہیں اور قیامت تک پیدا ہونے والے سارے متقیوں کے سردار اور سید المتقین ہیں۔

اسی لیے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اصدق الصادقیں ، سید المتقیں   چشم و گوشِ وِزارت پہ لاکھوں سلام

❷ ......سورۂ توبہ، آیت ۴۰ کے بارے میں تمام مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ خدائے پاک عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ---

''اے مسلمانو! اگر تم لوگ میرے رسول کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے، جب وہ دونوں یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں تھے''---

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا---

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے کہ غم نہ کر، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے''---

فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ---

''تو اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اپنا سکینہ اتارا''---

یعنی ان کے دل کو اطمینان عطا فرمایا۔

وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا---

''اور ایسی فوجوں سے اس کی مدد فرمائی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا''---

اور وہ ملائکہ تھے، جنہوں نے کفار کے رخ پھیر دیے، یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کو دیکھ ہی نہ سکے۔

وَ جَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی---

''اور کافروں کی بات کو نیچے کر دیا''---

یعنی ان کی دعوت کفر و شرک کو پست کر دیا۔

وَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ط وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ---

''اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے''---

اس آیت کریمہ میں جو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا---

''غم مت کرو کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے''---

تو اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا غم نہیں تھا بلکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم تھا۔ آپ فرماتے تھے:

اِنْ اُقْتَلْ فَاَنَا رَجُلٌ وَّاحِدٌ، وَاِنْ قُتِلْتَ هَلَكَتِ الْاُمَّةُ---

[تفسیر بغوی، جلد۲، صفحہ۳۴۹]

''اگر میں قتل کر دیا گیا تو صرف ایک فرد ہلاک ہوگا اور اے اللہ کے رسول! اگر آپ قتل کر دیے گئے تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی''---

یہ آیتِ کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں بالکل واضح ہے اور آپ کے صحابی ہونے پر نصِ قطعی ہے کہ خدائے عزوجل نے: اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ فرمایا۔ اسی لیے حضرت حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ لَّمْ يَكُنْ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَهُوَ كَافِرٌ، لِاِنْكَارِهٖ نَصَّ الْقُرْآنِ---[تفسیر بغوی، جلد۲، صفحہ۳۴۹]

''جو شخص کہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی نہیں ہیں، تو وہ نصِ قرآنی کے انکار کرنے کے سبب کافر ہے''---

❸......تیسواں پارہ، سورۂ والیل کی آیات کریمہ ہیں:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝---

''اور جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا وہ شخص جو کہ سب سے بڑا پرہیز گار ہے، جو کہ اپنا مال دیتا ہے خدائے تعالیٰ کے نزدیک تر ہونے کے لیے''---

نہ کہ ریا، سمعہ یا ان کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کے لیے خرچ کرتا ہے۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا، تو کفار کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا، جو انہوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فعل محض اللہ پاک کی رضا

کے لیے ہے، کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "اَتْقٰی" یعنی سب سے بڑا پرہیز گار فرمایا گیا اور پارہ ۲۶ رکوع ۱۴ر کی آیت مبارکہ ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ---[الحجرات:۱۳]

"بے شک اللہ کے یہاں تم میں سب سے زیادہ مکرم اور عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیز گار ہے"---

تو ان دونوں آیات کریمہ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خدائے عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور عزت والے ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور احادیث کریمہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی عظمت کے اظہار میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا نَفَعَنِیْ مَالُ أَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ أَبِیْ بَکْرٍ ---[حدیث:۳۶۶۱]

"کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا فائدہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے پہنچایا ہے"---

حدیث شریف میں ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

أَنْتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ، وَصَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ---

[شرح السنۃ للبغوی، حدیث ۳۸۷۲]

"غارِ ثور میں تم میرے ساتھ رہے اور حوضِ کوثر پر بھی تم میرے ساتھ رہو گے"---

ترمذی شریف ہی میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ---[ترمذی، حدیث ۳۶۷۹]

"تجھے اللہ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا"---

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی روز سے میرے والد محترم کا نام "عتیق" پڑ گیا۔

ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

أَمَا إِنَّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي ---

[سنن ابی داؤد، حدیث۴۶۵۲]

''اے ابوبکر! سن لو کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے''---

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا کسی شخص کی نیکیاں اتنی بھی ہیں جتنی کہ آسمان پر ستارے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہاں! عمر کی نیکیاں اتنی ہی ہیں۔ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، پھر میں نے پوچھا اور ابوبکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''عمر کی ساری عمر کی نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں''---

[مشکوٰۃ شریف، صفحہ۵۶۰]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حُبُّ أَبِي بَكْرٍ وَ شُكْرُهُ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ أُمَّتِي --- [تاریخ الخلفاء، صفحہ۴۰]

''ابوبکر سے محبت کرنا اور ان کا شکر ادا کرنا میری پوری امت پر واجب ہے''---

مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث پاک ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دن رات میں جو عمل اور بہترین کام کیے ہیں، کاش کہ میری پوری زندگی کا عمل ان کے ایک رات دن کے عمل کے برابر ہوتا۔ ان کی ایک رات کا عمل تو یہ ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی رات غارِ ثور پر پہنچے (جو تقریباً اڑھائی کلومیٹر بلند ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

وَ اللّٰهِ لَا تَدْخُلُهُ حَتّٰى أَدْخُلَ قَبْلَكَ ---

''خدا کی قسم! آپ غار میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ کے پہلے میں نہ داخل ہو جاؤں''---

تاکہ اگر کوئی موذی چیز سانپ وغیرہ ہو تو اس سے تکلیف مجھی کو پہنچے اور آپ محفوظ رہیں۔ پھر آپ غار کے اندر داخل ہوئے اور اس کو خوب صاف کیا۔ جب غار کے اندر ان کو

کچھ سوراخ نظر آئے، تو ان کو انھوں نے اپنی لنگی میں سے کپڑا پھاڑ کر بھر دیا اور دونوں سوراخوں پر انھوں نے اپنی ایڑیاں لگا دیں۔اس کے بعد رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لائیے۔

حضور ﷺ غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں سر انور رکھ کر سو گئے۔ابھی آرام ہی فرما رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں سوراخ کے اندر سے سانپ نے کاٹ لیا، مگر آپ نے حرکت نہیں کی اور اسی طرح بیٹھے رہے، اس لیے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کی آنکھ نہ کھل جائے۔لیکن سانپ کے زہر کی انتہائی تکلیف کے سبب آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، جو حضور ﷺ کے چہرۂ اقدس پر گرے۔حضور ﷺ کی آنکھ کھل گئی تو آپ نے دریافت فرمایا، ابوبکر! کیا ہوا؟

قَالَ : لُدِغْتُ فِدَاكَ أَبِیْ وَ أُمِّیْ ---

''عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھ کو سانپ نے کاٹ لیا ہے'' ---

حضور رحمتِ عالم ﷺ نے ان کے زخم پر اپنا لعابِ دہن لگایا تو فوراً ان کی تکلیف جاتی رہی، مگر عرصہ دراز کے بعد سانپ کا وہی زہر پھر لوٹ آیا، جو آپ کے وصال کا سبب بنا، یعنی اسی زہر کی وجہ سے آپ کی وفات ہوئی۔[مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۵۶]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک دن کا بہترین عمل یہ ہے کہ جب حضور ﷺ کی وفات کے بعد عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور انھوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے، یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو اونٹ کی رسی، جو لوگوں پر واجب ہوگی، اس کے دینے سے بھی انکار کریں گے، تو میں ان سے جہاد کروں گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا:

یَا خَلِیفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَأَلَّفِ النَّاسَ ، وَ ارْفِقْ بِهِمْ ---

''لوگوں کے ساتھ الفت سے پیش آیئے اور نرمی سے کام لیجیے'' ---

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایام جاہلیت میں تو بڑے سخت غضبناک تھے، کیا اسلام میں داخل ہو کر ذلیل وخوار اور پست ہمت ہو گئے ہو؟

إِنَّهٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَ تَمَّ الدِّیْنُ أَ یَنْقُصُ وَ أَنَا حَیٌّ ---

''وحی کا آنا بند ہو گیا ہے اور دین اسلام کامل ہو چکا ہے، تو کیا میری زندگی میں وہ کمزور وناقص ہو جائے گا؟''---

مطلب یہ کہ میں دینِ اسلام کو اپنی زندگی میں کمزور وناقص ہرگز نہیں ہونے دوں گا اور جو لوگ زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں، میں ان سے جہاد ضرور کروں گا۔

ان احادیث مبارکہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرکارِ اقدس ﷺ کے نزدیک سارے صحابہ میں سے سب سے زیادہ مقرب، سب سے زیادہ پیارے اور سب سے زیادہ فضیلت وعظمت والے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ کی جانشینی کے سب سے پہلے مستحق وہی ہیں۔

رضی اللہ تعالٰی عنه و ارضاہ عنا و عن سائر المسلمین

نام و نسب

آپ کا نام عبداللہ ہے اور ابو بکر سے جو آپ مشہور ہیں، تو یہ آپ کی کنیت ہے اور صدیق وعتیق آپ کا لقب ہے۔ آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ ہے اور آپ کی والدہ محترمہ کا نام سلمٰی ہے، جن کی کنیت ام الخیر ہے۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت میں مرہ بن کعب پر حضور اکرم ﷺ کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ آپ واقعۂ فیل کے تقریباً اڑھائی برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

عہد طفلی میں بت شکنی

زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی، آپ ہمیشہ اس کے خلاف رہے، یہاں تک کہ آپ کی عمر شریف جب چند برس کی ہوئی تو اسی زمانہ میں آپ نے بت شکنی فرمائی، جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ مبارکہ تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ، صفحہ ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ (کہ وہ بھی بعد میں صحابی ہوئے) زمانہ جاہلیت میں انہیں بت خانہ لے گئے اور بتوں کو دکھا کر ان سے کہا:

ھٰذِہٖ آلِھَتُکَ الشُّمُّ الْعُلٰی ، فَاسْجُدْ لَھَا---[مرقاۃ المفاتیح]

''یہ تمہارے بلند وبالا خدا ہیں، انہیں سجدہ کرو''---

وہ تو یہ کہہ کر باہر چلے گئے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے

تشریف لائے اور برائے اظہارِ عجز صنم پرست ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ جَائِعٌ فَأَطْعِمْنِیْ---

''میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا دے''---

وہ کچھ نہ بولا، فرمایا:

اِنِّیْ عَارٍ فَاکْسُنِیْ---

''میں ننگا ہوں، مجھے کپڑا پہنا''---

وہ پھر کچھ نہ بولا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا میں تجھ پر پتھر مارتا ہوں:

فَإِنْ کُنْتَ إِلٰھًا فَامْنَعْ نَفْسَکَ---

''اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا''---

وہ اب بھی نرا بت بنا رہا۔ آخر آپ نے بقوت صدیقی اس کو پتھر مارا، تو وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گر پڑا۔ اسی وقت آپ کے والد ماجد واپس آ رہے تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا کہ اے میرے بچے! تم نے یہ کیا کیا؟ فرمایا کہ وہی کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ کے والد انھیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ عنہا کے پاس (کہ وہ بھی صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اس بچے سے کچھ نہ کہو کہ جس رات یہ پیدا ہوئے، میرے پاس کوئی نہ تھا، میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے:

یَا أَمَةَ اللّٰہِ عَلَی التَّحْقِیْقِ، أَبْشِرِیْ بِالْوَلَدِ الْعَتِیْقِ، اسْمُہٗ فِی السَّمَاءِ الصِّدِّیْقُ، لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَّ رَفِیْقٌ---

''اے اللہ کی سچی باندی! تجھے خوش خبری ہو اس آزاد بچے کی، جس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یار و رفیق ہے''---

رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد الزبیدی بسندہ فی معالی الفرش الی عوالی العرش

عہد جاہلیت میں

زمانۂ جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی برادری میں سب سے زیادہ مال دار تھے، مروّت و احسان کا مجسمہ تھے، قوم میں بہت معزز سمجھے جاتے تھے، گمشدہ کی تلاش آپ کا

شیوہ رہا اور مہمانوں کی آپ خوب میز بانی فرماتے تھے۔ آپ کا شمار روسائے قریش میں ہوتا تھا، وہ لوگ آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور آپ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ آپ قریش کے ان گیارہ لوگوں میں سے ہیں، جن کو ایام جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں عزت و بزرگی حاصل رہی کہ آپ عہدِ جاہلیت میں ''خوں بہا'' اور جرمانے کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، جو اس زمانے کا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

آپ نے عہد جاہلیت میں کبھی شراب نہیں پی، ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے زمانۂ جاہلیت میں شراب پی ہے؟ آپ نے فرمایا، خدا کی پناہ! میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ لوگوں نے کہا، کیوں؟ فرمایا:

کُنْتُ أَصُوْنُ عِرْضِیْ وَ اَحْفَظُ مُرُوْءَتِیْ ---

''میں اپنی عزت و آبرو کو بچاتا تھا اور مروّت کی حفاظت کرتا تھا'' ---

اس لیے کہ جو شخص شراب پیتا ہے، اس کی عزت و ناموس اور مروّت جاتی رہتی ہے۔ جب اس بات کی خبر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے دو بار فرمایا:

''ابوبکر نے سچ کہا، ابوبکر نے سچ کہا'' --- [تاریخ الخلفاء]

قبولِ اسلام

بہت سے صحابہ کرام اور تابعین عظام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ سب سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ثبوت میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار پڑھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں ہیں اور ان میں سب سے پہلے آپ کے اسلام لانے کا ذکر ہے۔ ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ أَبُوْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ --- [ترمذی، حدیث ۳۷۳۴]

''سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے'' ---

اور ابنِ سعد رضی اللہ عنہ نے صحابیٔ رسول حضرت ابواروی دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا:

أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ أَبُوْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ ---

''سب سے پہلے جو اسلام لائے، وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں''---

یہاں تک کہ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان ہوئے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا:

وَ اللّٰہِ لَقَدْ آمَنَ اَبُو بَکْرٍ بِالنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زَمَنَ بَحِیرَا الرَّاھِب---

''قسم ہے خدائے عزوجل کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحیرہ راہب ہی کے زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے''---

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔[تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۳]

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبداللہ نے بیان کیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب میں نے کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس کو تردّد ہوا، علاوہ ابوبکر کے، کہ جب میں نے ان پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے بغیر تردّد کے اسلام قبول کرلیا۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سابق الاسلام ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ نبوت اور رسالت کی نشانیاں قبل از اسلام ہی معلوم کر چکے تھے، اس لیے جب ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انھوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔

بعض محدثین یوں فرماتے ہیں کہ اعلانِ نبوت کے قبل ہی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست تھے اور آپ کے اخلاق کی عمدگی، عادات کی پاکیزگی اور آپ کی سچائی و دیانت داری پر یقین کامل رکھتے تھے۔ جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا، تو انھوں نے فوراً قبول کرلیا، اس لیے کہ جو شخص زندگی کے عام حالات میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ غلط بات کہتا ہے، تو بھلا وہ خدائے ذوالجلال کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے کہ اس نے مجھے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً بلا تامل مسلمان ہوگئے۔

ان تمام شواہد سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کیے ہیں، اس لیے بعض حضرات نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے سب سے پہلے مسلمان ہونے پر اجماع ہے۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے

سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ان تمام اقوال میں ہمارے امام اعظم حضرت سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح تطبیق فرمائی ہے:

''مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عورتوں میں سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے ہیں''---

کمال ایمان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل تھا، جس کا ثبوت بہت سے واقعات سے ملتا ہے۔

شبِ معراج کی صبح بہت سے مشرکین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: آپ کو کچھ خبر ہے آپ کے دوست محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ رہے ہیں کہ انھیں رات کو بیت المقدس اور آسمان وغیرہ کی سیر کرائی گئی ہے۔آپ نے کہا، کیا واقعی وہ ایسا فرما رہے ہیں؟

ان لوگوں نے کہا، ہاں! وہ ایسا ہی کہہ رہے ہیں۔تو آپ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاُصَدِّقُہٗ بِاَبْعَدَ مِنْ ذٰلِکَ---[تاریخ دمشق لابن عساکر]

''اگر وہ اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس اور حیرت انگیز خبر دیں گے، تو بے شک میں اس کی بھی تصدیق کروں گا''---

غزوۂ بدر میں آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کفار مکہ کے ساتھ تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جنگ بدر میں کئی بار میری زد میں آئے لیکن میں نے آپ سے صرفِ نظر کی اور آپ کو قتل نہیں کیا۔اس کے جواب میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَوْ اَھْدَفْتَ لِیْ لَمْ اَنْصَرِفْ عَنْکَ---[تاریخ الخلفاء، صفحہ ۳۶]

''اے عبدالرحمٰن! کان کھول کر سن لو، اگر تم میری زد میں آ جاتے تو میں صرفِ نظر نہ کرتا''---

بلکہ تم کو قتل کر کے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔

ان واقعات سے بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ کامل تھا، بلکہ درجۂ کمال کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا، یہاں تک کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پوری زمین کے مسلمانوں کا ایمان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان اگر وزن کیا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا پلہ بھاری ہوگا۔ [تاریخ الخلفاء، صفحہ ۴۰]

سخاوت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور سخاوت کرنے کے بارے میں بھی سارے صحابہ رضی اللہ عنہم پر فوقیت رکھتے تھے۔ حدیث شریف کی دو مشہور کتابیں ترمذی اور ابوداؤد میں ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز ہم لوگوں کو اللہ کا حکم دیا اور حسنِ اتفاق سے اس موقع پر میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جانا کسی دن میرے لیے ممکن ہوگا تو آج کا دن ہوگا۔ میں کافی مال خرچ کر کے آج ان سے سبقت لے جاؤں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں آدھا مال لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا:

مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِكَ ؟---

''اپنے گھر والوں کے لیے تم نے کتنا چھوڑا ہے؟''---

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آدھا مال ان کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو کچھ ان کے پاس تھا، سب لے آئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا:

مَا اَبْقَیْتَ لِاَھْلِكَ ؟---

''اے ابوبکر! آپ اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو''---

فَقَالَ : اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ---

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ان کے لیے میں اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں''---

مطلب یہ کہ میرے اور میرے اہل وعیال کے لیے اللہ و رسول کافی ہے:

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے، خدا کا رسول بس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَا أُسَابِقُكَ إِلٰى شَیْءٍ أَبَدًا---

''میں نے اپنے دل میں کہا کہ کسی چیز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر میں کبھی سبقت نہیں لے جاسکوں گا''---[مشکوۃ شریف، صفحہ ۵۵۶]

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس روز میرے والد بزرگوار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے، اس روز آپ کے پاس چالیس ہزار دینار موجود تھے اور ایک روایت میں چالیس ہزار درہم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سارا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر خرچ کر دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور جب آپ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو اس مال میں سے آپ کے پاس صرف پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے۔ مکہ معظّمہ میں آپ نے ۳۵/ ہزار درہم مسلمان غلاموں کو آزاد کرانے اور اسلام کی مدد میں خرچ کر ڈالا تھا۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راہِ خدا میں چالیس ہزار دینار خرچ کیے، دس ہزار رات میں، دس ہزار دن میں، دس ہزار چھپا کر اور دس ہزار علانیہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝---[البقرۃ:۲۷۴]

''جو لوگ اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں، چھپا کر اور علانیہ، تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان کو کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''---

ترمذی شریف میں ہے، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے بھی میرے ساتھ

احسان کیا، میں نے ہر ایک کا احسان اتار دیا علاوہ ابوبکر کے احسان کے، انہوں نے میرے ساتھ ایسا احسان کیا ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن ان کو خدا تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا:

وَ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ أَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ أَبِی بَکْرٍ ---[حدیث ۳۶۶۱]

''اور ہر گز کسی کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا فائدہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال نے پہنچایا ہے''---

کرامات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کئی کرامات ظاہر ہوئی ہیں، جن میں سے ایک کرامت کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرضِ موت میں مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! میرے پاس جو کچھ میرا مال تھا، آج وہ مال وارثوں کا ہو چکا ہے، میری اولاد میں تمہارے دو بھائی عبدالرحمٰن اور محمد ہیں اور تمہاری دو بہنیں ہیں، لہٰذا میرے مال کو تم لوگ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، ابا جان! میری تو ایک ہی بہن بی بی اسماء رضی اللہ عنہا ہیں، یہ میری دوسری بہن کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری سوتیلی ماں حبیبہ بنت خارجہ جو حاملہ ہے کے پیٹ میں لڑکی ہے، وہی تمہاری دوسری بہن ہے۔ چنانچہ آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے فرمان کے مطابق حبیبہ بنت خارجہ کے پیٹ سے لڑکی (ام کلثوم) ہی پیدا ہوئیں۔[موطا امام محمد، صفحہ ۳۴۸]

اس حدیث شریف سے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دو کرامتیں ثابت ہوتی ہیں، پہلی کرامت یہ کہ وفات سے پہلے آپ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میں اسی مرض میں انتقال کر جاؤں گا، اسی لیے آپ نے وصیت کے وقت یہ فرمایا کہ آج میرا مال میرے وارثوں کا مال ہو چکا ہے اور دوسری کرامت یہ ثابت ہوتی ہے کہ حاملہ کے پیٹ میں لڑکی ہے۔ آپ یقین کے ساتھ جانتے تھے، اسی لیے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ حبیبہ بنت خارجہ، جو حاملہ ہے، اس کے پیٹ میں لڑکی ہے، وہی تمہاری بہن ہے۔ ان دونوں باتوں کا علم یقیناً غیب کا علم ہے، جو بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو عظیم الشان کرامات ہیں۔

خصوصیات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں، جن میں سے چند خصوصیات کو ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ابنِ عساکر حضرت امام شعبی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خدائے عزوجل نے ایسی چار خصلتوں سے مختص فرمایا، جن میں سے کسی کو سرفراز نہیں فرمایا:

❶ ......آپ کا نام صدیق رکھا، کسی دوسرے کا نام صدیق نہیں ہے۔

❷ ......آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں رہے۔

❸ ......آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت میں رفیقِ سفر رہے۔

❹ ......سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا کہ صحابہ کرام کو نماز پڑھائیں اور دوسرے لوگ آپ کے مقتدی بنیں۔

ایک بہت بڑی خصوصیت آپ کی یہ بھی ہے کہ آپ صحابی، آپ کے والد ابوقحافہ صحابی، آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن صحابی اور ان کے صاحبزادے ابوعتیق محمد بھی صحابی ہیں۔ یعنی آپ کی چار نسلیں صحابی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین

سایۂ مصطفیٰ ، مایۂ اصطفا　　عز و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل　　ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

علالت اور وفات

واقدی اور حاکم میں ہے، حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ والدِ گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علالت کی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ نے ۷؍ جمادی الاخریٰ، پیر کے روز غسل فرمایا، اس روز سردی بہت زیادہ تھی، جو اثر کر گئی، آپ کو بخار آ گیا اور پندرہ دن تک آپ علیل رہے۔ اس درمیان میں آپ نماز کے لیے بھی گھر سے باہر تشریف نہیں لا سکے۔ آخر کار بظاہر اسی بیماری کے سبب ۶۳؍ سال کی عمر میں دو سال دو ماہ سے کچھ زائد امورِ خلافت انجام دینے کے بعد ۲۲؍ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو آپ کی وفات ہوئی اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پہلو میں مدفون ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

منصب امامت و خطابت
تقاضے اور تجاویز ③

تفہیم قرآن کی اہمیت وضرورت اور علماء کی ذمہ داری

پروفیسر علامہ خلیل احمد نوری

صدر ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں مساجد کے ائمہ وخطباء کے علمی معیار کا پتا لگانے کے لیے سروے کیا گیا تھا، سروے کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ صرف گیارہ فی صد ائمہ وخطباء، درسِ نظامی کے باقاعدہ فارغ التحصیل ہیں، دیگر نے یا تو کسی دینی تعلیمی ادارے کا رخ ہی نہیں کیا یا کچھ عرصہ، اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کے بعد، بوجوہ تعلیم کو خیر باد کہہ کر کسی مسجد میں بطور امام وخطیب مقرر ہو گئے۔ آج کی صورت حال کا صحیح علم نہیں۔ فرض کریں کہ آج اس سے مختلف صورت حال نہیں ہے، تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ کم تعداد بھی علوم اسلامیہ پر مکمل عبور رکھتی ہے؟ واقفانِ حال جانتے ہیں کہ یہ خوش فہمی تو ہو سکتی ہے، حقیقت ہر گز نہیں۔ دیگر وجوہ کے علاوہ اس کی ایک اہم وجہ عصری تعلیمی اداروں سے لے کر دینی تعلیمی اداروں تک، ہر جگہ زوال پذیر معیارِ تعلیم ہے۔ دوسرا یہ کہ ذہین اور ذی استعداد طلباء کی اکثریت عصری علوم کو ترجیح دیتی ہے اور دینی مدارس میں کم ذہین بچے داخلہ لیتے ہیں۔ ان کا علاقائی اور خاندانی پسِ منظر بھی غربت وافلاس زدہ اور علمی پس ماندگی سے لبریز ہوتا ہے۔

علماء کی علمی کمزوریوں کے اسباب جو کچھ بھی ہوں، منصب امامت و خطابت کا تقاضا ہے کہ علوم اسلامیہ کے طلباء کی ٹھوس بنیادوں پر تربیت ہو، وہ علوم اسلامیہ پر مکمل عبور رکھتے ہوں اور ان کا فہم دین معمولی اور سطحی نہ ہو۔ وہ بھرپور علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی منصبی ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہوں اور، ہاں؛ وہ خدمتِ دین کے جذبے سے یوں سرشار ہو کر میدانِ عمل میں آئیں کہ حالات کی کوئی مجبوری ان کی راہ کا سنگِ گراں ثابت نہ ہو۔

آئندہ سطور میں کچھ ضروری دینی علوم کا ذکر کیا جاتا ہے، جن میں کامل مہارت حاصل کرنا ہر خطیب و امام کے لیے ازبس ضروری ہے، ان میں سرفہرست علم القرآن میں کاملیت پیدا کرنا ہے تاکہ قرآن مجید کی تفہیم کا حق ادا ہو سکے۔

قرآن حکیم، اسلامی تعلیمات کا اوّلین منبع اور مصدرِ دین ہے۔ یہ، کتابِ ہدایت و موعظت، نور و برہان اور شفاء و رحمت ہے، اس پر عمل کرنے میں دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی مضمر ہے۔ یہ کتاب ایسا جامع نظام عمل پیش کرتی ہے کہ آج تک اتنا نفع منداور مفید ہدایت نامہ پیش نہیں کیا جا سکا۔ یہ تمام انسانیت کے لیے دنیا اور آخرت کی سعادتوں کی جامع کتاب ہے۔ قوموں کا عروج و زوال قرآن مجید سے وابستہ ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا، وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ ---[صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن وما يتعلق به، باب فضل من يقوم بالقرآن و يعلمه ......]

”بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب پر عمل کے باعث بعض اقوام کو عزت و سربلندی سے نوازے گا اور بعض دیگر قوموں کو اسے ترک کرنے کی وجہ سے پستی اور ذلت سے ہم کنار فرمائے گا“---

افسوس کی بات یہ ہے کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی اکثریت نے حصولِ ثواب کے لیے، گھروں، مجالس اور قبرستانوں میں تلاوت کرنے کو کافی سمجھ لیا ہے یا پھر برکت کی خاطر قرآن کریم کو گھروں کی الماریوں میں سجا رکھا ہے۔ قرآن کریم سے اس سے بھی کم تر سلوک باہمی تنازعات حل کرنے کے لیے حلف اٹھاتے ہوئے اور شادی کے موقع پر اس کے سائے میں بچیوں کو رخصت کرتے وقت دکھائی دیتا ہے۔ قرآن کریم کے فہم کی طرف

عام مسلمانوں کا مطلقاً دھیان نہیں ہے۔انہیں اس بات کا بالکل احساس نہیں کہ تلاوت کے علاوہ بھی قرآن کے کچھ حقوق ہیں اور یہ کہ قرآن کریم کی اصل برکت اس کے بیان کیے ہوئے احکام پر عمل کرنے اور منع کی ہوئی باتوں سے اجتناب کرنے میں ہے۔

ہمارے اسلاف نے قرآن کریم کو اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنائے رکھا، اپنی صلاحیتوں کو اس کے معانی اور مطالب سمجھنے سمجھانے میں صرف کیا، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو وہ عروج حاصل ہوا، جس کی مثال نہیں ملتی اور پوری دنیا کے اہلِ دانش اس پر حیرت زدہ ہیں۔ ماضی کی نسبت آج کے دور میں قرآن کریم کے نسخوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے، خوش نما طباعت سے مزین نسخے ہر کسی کی پہنچ میں ہیں، حفظ و ناظرہ قرآن کریم اور ترجمہ وتفسیر تک کی تعلیم عام ہے، حفاظ کی کثرت ہے، آن لائن کلاسز کے ذریعے قرآن مجید سیکھا اور سکھایا جارہا ہے، مختلف تراجم اور تفاسیر ہر زبان میں دستیاب ہیں، موبائل اور لیپ ٹاپ میں ڈاؤن لوڈ کی سہولت کے ساتھ قرآن کریم کے متن، ترجمہ اور تفسیر سے استفادہ بہت آسان اور سہل ہوگیا ہے۔اس کے باوجود مسلمان اپنے زوال کو عروج سے بدلنے میں قاصر ہیں، اس کی اصل وجہ، قرآن مجید کے احکام پر عمل میں کوتاہی، بلکہ انحراف اور روگردانی ہے۔انہیں عزت وغلبہ اور اقوام عالم کی سیادت وقیادت واپس مل سکتی ہے، شرط یہ ہے کہ وہ تعلیماتِ قرآن کی طرف لوٹ آئیں اور اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔

قرآن مجید کا اتباع اور اس کے احکام کی تعمیل تبھی ممکن ہے، جب اس کا فہم حاصل ہو۔ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اس کے مطالب و معانی کے فہم میں ملکہ پیدا کریں اور اس کے ذریعے لوگوں کی راہبری اور راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔اس میں گہری بصیرت حاصل کیے بغیر فرد کی راہنمائی کا فرض ادا نہیں کیا جاسکتا۔قرآن حکیم کے ذریعے انسانیت کی ہدایت وراہنمائی کو نزولِ قرآن کا مقصد بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَ ذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَo---[الاعراف،۷:۲]

”(اے حبیب!) یہ ایک کتاب ہے، جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے، پس آپ کے دل میں اس کے متعلق کوئی جھجک نہ ہو، اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ

آپ اس کے ذریعے (کفار کو) ڈرائیں اور ایمان داروں کو نصیحت کرتے رہیں"---

رسول کریم ﷺ کی زبانِ اقدس سے کہلواتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَ مَنْ بَلَغَ---[الانعام،۶:۱۹]

"اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تا کہ میں تم لوگوں کو اور جس جس کو یہ پہنچے، انہیں اس کے ذریعے خبردار کر دوں"---

الغرض، متعدد آیات میں نبی اکرم ﷺ کو واضح اور صریح حکم دیا گیا ہے کہ آپ قرآن کریم کے ذریعے لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائیں۔ علماء کرام، علم نبوت کے وارث ہیں، ضروری ہے کہ وہ درج بالا آیات میں بیان کیے گئے حکم الٰہی پر عمل پیرا ہو کر تعلیماتِ قرآن کو عام کرنے کا بیڑا اٹھائیں۔ سب سے پہلے خود قرآن کریم کا گہرا مطالعہ کریں، اس کے حقائق و معارف کی معرفت کے لیے غور و تدبر کی لگن پیدا کریں، ذوق و شوق سے مطالعہ قرآن میں منہمک ہوں، تا کہ ان میں ایسی بصیرت پیدا ہو جائے جس سے وہ حق اور باطل کو خوب پہچان سکیں۔ پھر، پورے جوش و جذبے اور اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں احساسِ جواب دہی کے ساتھ، نورِ قرآن کو عام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔

قرآنِ کریم، چونکہ عربی زبان میں ہے، ہماری مادری زبان عربی نہیں ہے، محض اردو ترجمہ کی مدد سے قرآن مجید کے حقیقی پیغام کو سمجھنا ممکن نہیں ہے، اس کا ترجمہ اور تفسیر ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ تفسیر قرآن کے لیے متعدد اہم علوم و فنون کا جاننا ضروری ہے۔ علماء کرام کو درسِ نظامی میں ان معاون و مددگار علوم سے واسطہ پڑتا ہے، اس لیے وہ فہم قرآن کی بنیادی استعداد سے بہرہ ور ہو چکے ہوتے ہیں۔ وہ کوشش اور محنت کریں تو اپنی صلاحیتوں کو مزید صیقل کر کے (نکھارتے ہوئے) عربی اور اردو تفاسیر کی مدد سے مفاہیم قرآن میں گہری بصیرت پیدا کر سکتے ہیں۔ انہیں ایسا کرنا چاہیے، تا کہ بہتر طور پر وہ امت کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ ترجمہ و تفسیر کے مسلسل مطالعہ سے مضامینِ قرآن کا اجمالی خاکہ ایک خطیب کے ذہن میں ہو اور ان سے متعلق آیات کے مقامات پر اس کی نظر ہو، اس طرح وہ انہیں، اپنے خطبوں اور دروس میں موقع کی مناسبت سے استعمال کر سکے گا۔ قرآن کریم کا گہرا فہم، تدبر و تفکر سے پیدا ہوتا ہے، اس کے لیے روزانہ تلاوت کا معمول ضروری ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر

تلاوت کی جائے۔ ہمارے شیخ اور استاذ و مربی حضور سیدی فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لیے نمازِ عصر کے بعد صحنِ دارالعلوم میں چارپائی بچھائی جاتی، جس پر بیٹھ کر آپ قرآن مجید کی تلاوت معتدل بلند آواز سے کیا کرتے۔ ایک ایک لفظ واضح اور صاف سنائی دیتا۔ یہی اندازِ تلاوت ہونا چاہیے تاکہ رک رک کر قرآن کریم کے معانی پر غور وفکر کیا جا سکے۔ مطالعہ قرآن کرتے وقت سورتوں اور آیات کے باہمی ربط کو تلاش کیا جائے۔ ایک عنوان اور ایک موضوع کی آیات کو نوٹ کیا جائے اور ان کے متعلق متعدد تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے۔ آیت یا آیات کے مضمون کے حوالے سے احادیث تلاش کی جائیں اور سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راہنمائی لی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء وصالحین رحمۃ اللہ علیہم کی سیرت و عمل سے تائیدی مواد حاصل کیا جائے۔ اس طرح کی مسلسل مشق سے خطیب اپنے خطبوں کو اور مدرس اپنے دروس کو قرآن مجید کے مفاہیم سے آشنا کر کے اپنے سامعین تک قرآن کریم کا پیغام بہتر طور پر پہنچا سکتا ہے۔

مضامینِ قرآن پر لکھی گئی کتابیں قرآن فہمی میں بہت مددگار رہیں، ان سے ہر خطیب کو استفادہ کرنا چاہیے۔ اس موضوع پر کئی اہلِ علم کام کر چکے ہیں، اس سلسلے کی سب سے اعلیٰ، علمی و تحقیقی کوشش ڈاکٹر علامہ محمد طاہر القادری زید مجدہ کی ہے، انہوں نے آٹھ ضخیم مجلدات میں نہایت عمدگی اور باریک بینی سے مضامینِ قرآن کو ترتیب دیا ہے۔ ترجمہ پر مشتمل کئی قرآنی نسخوں کے آخر میں اشاریے کی مدد سے بھی قرآن کریم کے مضامین کی فہرست دی گئی ہے۔ مثلاً ترجمہ کنز الایمان مع تفسیر خزائن العرفان کے آخر میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے فاضلِ جلیل علامہ محمد منشا تابش قصوری (دام ظلہ و عمت فیوضاتہ) نے بڑی عمدگی اور علمی بصیرت سے فہرست مضامین مرتب فرمائی ہے۔ اس طرح کا مرتب مواد، قرآن مجید کے فہم اور تفہیم کے لیے بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ عرب اسکالر، علامہ محمد فواد عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ کی المعجم المفہرس للقرآن الکریم، قرآن مجید کے ہر طالب علم کی لازمی ضرورت ہے۔ اس کے ذریعے قرآن کریم میں آنے والے ہر لفظ کے تمام اسماء اور افعال صرفی اور نحوی تبدیلیوں کے ساتھ مادے کے اعتبار سے ایک ہی جگہ مل جاتے ہیں۔ اگر ایک لفظ قرآن مجید میں سو بار استعمال ہوا ہے، تو سو آیات، آیت نمبر اور سورت نمبر کے ساتھ درج کر دی گئی ہیں۔ امام راغب الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی المفردات بھی ہر عالم دین کی لازمی ضرورت ہے، اس کی

مدد سے الفاظِ قرآن کریم کی تشریح آسان ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایک لفظ مختلف مقامات پر جن معانی میں استعمال ہوا ہے، امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ایک کی نشان دہی اور تشریح کر کے آسانی فراہم کر دی ہے۔ اسی موضوع پر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی ''علم القرآن'' بھی اہمیت کی حامل ہے۔ قدیم تفاسیر میں سے علامہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی ''تفسیر القرآن العظیم'' (تفسیر ابنِ کثیر) پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ تحریف شدہ نسخہ نہ ہو۔ کسی آیت کی مفصل تفسیر کے لیے محقق العصر علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی بارہ مجلدات میں ''تبیان القرآن'' بہت اہم ہے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ کی تفسیر ''خزائن العرفان'' اور جامع العلوم پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''ضیاء القرآن'' اختصار کے ساتھ جامعیت لیے ہوئے ہیں۔ اسی طرح علامہ عبدالرزاق بھترالوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''نجوم القرآن''، علامہ ذاکر حسین شاہ سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''جمال القرآن'' اور دعوت اسلامی کی شائع کردہ تفسیر ''صراط الجنان'' بھی لائقِ مطالعہ ہیں۔

فہم قرآن کے سلسلے میں ایک وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ قرآن مجید عبرت و موعظت کے اعتبار سے آسان کتاب ہے۔ مثلاً: قرآن کریم میں سابقہ اقوام کا بار بار ذکر آیا ہے کہ کس طرح وہ نافرمانی کی راہ پر چلیں اور پھر عذابِ الٰہی نے انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اسی طرح دل کش انداز میں اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ جنت اور اس کی نعمتوں کی صورت میں جزا و ثواب کا بیان ہے۔ بد اعمالی سے روکا گیا ہے اور برائی کی سزا کے طور پر دوزخ میں عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ اور توحیدِ ذات کے متعلق واضح نشانیاں بیان ہوئی ہیں۔ یوں ہی، انتہائی فصیح و بلیغ انداز میں کائنات میں رونما ہونے والے تغیر و تبدل کے متعلق انسان کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، تاکہ وہ کائنات کے خالق کی طرف متوجہ ہو اور اس کی ہستی کا اقرار کرے اور اس پر ایمان لائے۔ اس حوالے سے قرآن مجید آسان ہے کہ اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی اور ضد و عناد کے باعث انکار کی قسم نہ کھا بیٹھا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اتنی واضح نشانیوں سے صرف نظر کر سکے اور اسے ایمان کی دولت نصیب نہ ہو یا وہ بد اعمالی سے باز نہ آئے۔ آسانی کے اسی پہلو کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ---[القمر، ۵۴:۱۷]

''اور ضرور ہم نے قرآن کو نصیحت و موعظت کے لیے آسان بنایا ہے
تو کوئی ہے جو نصیحت پکڑے''---

ایک اور مقام پر فرمایا:

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِہٖ قَوْمًا لُّدًّا---[مریم،۱۹:۹۷]

''اور (اے حبیب!) ضرور ہم نے قرآن مجید کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو خوش خبری دیں اور جھگڑا کرنے والوں کو ڈرائیں، دھمکائیں''---

قرآن مجید کے سہل و آسان ہونے کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس کی تعلیمات آسان ہیں۔ یہ تعلیمات کوئی فلسفیانہ اور پیچیدہ بحثیں نہیں ہیں کہ جن کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا دشوار ہو، یہ سیدھی، واضح اور فطرت کے مطابق تعلیمات ہیں۔ جیسا کہ نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، زکوٰۃ دینے اور حج کرنے کا حکم ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنے، رشتوں داروں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنے، پڑوسیوں، مسکینوں، یتیموں، مسافروں اور دیگر کمزوروں کا خیال رکھنے کی تاکید ہے، اسی طرح سچ بولنے، وعدہ کی پابندی، دیانت داری جیسی اعلیٰ اخلاقی صفات اپنانے پر زور دیا گیا ہے۔ کفر و شرک، زنا، چوری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی اور کم تولنے وغیرہ سے منع کیا گیا ہے۔ یہ وہ سیدھی اور سادہ تعلیمات ہیں، جن کو سمجھنا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ قرآن مجید کے یہ وہ احکام ہیں، جن کو معمولی صلاحیت رکھنے والا عام آدمی بھی کسی ترجمے کی مدد سے سمجھ اور جان سکتا ہے۔

جہاں تک قرآن مجید سے مسائل استنباط کرنے، اس کے معیار بلاغت کو پرکھنے، اس کے حقیقی مدلول (جس امر پر الفاظِ قرآن دلالت کر رہے ہوں) کو جاننے وغیرہ کا سوال ہے، صرف ترجمہ کی مدد سے ان امور تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ راسخون فی العلم ہی اس کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ عام آدمی کا فہم قرآن ناقص ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید انسانی زندگی کا دستور العمل عطا کرتا ہے، لیکن اس میں اصول و کلیات بیان ہوئے ہیں، زندگی کے تمام مسائل کا تفصیلی بیان نہیں ہے۔ اصول سے فروع اور کلیات سے جزئیات کے

استنباط واستخراج کے لیے ہر شخص کو اہل نہیں قرار دیا جائے گا۔ضروری ہے کہ ایسا شخص عربی زبان پر کامل عبور رکھتا ہو،علم صرف ونحواورعلم معانی وبدیع کا جاننے والا ہو، ناسخ ومنسوخ سے باخبر ہو،تفسیر وتاویل کے فرق کوسمجھتا ہو،کسی آیت کے مفہوم کومتعین کرنے کے لیے دیگر آیات میں بیان کیے گئے معنی ومفہوم کو پیشِ نظر رکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو۔ یوں ہی سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فہم کے بغیر، فہم قرآن ممکن نہیں۔اس کے لیے علوم الحدیث کا ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔الغرض، فہم قرآن میں کاملیت پیدا کرنے کے لیے علماء کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے، جس طرح علاج کے لیے ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، قانونی معاملات کے حل کے لیے قانون دان کی خدمات لی جاتی ہیں اور معاشی امور، اقتصادیات کے ماہرین کوسپرد کیے جاتے ہیں۔

اس بحث سے مقصود یہ ہے:

❶ عوام الناس پر لازم ہے کہ وہ محض ترجمہ قرآن کے مطالعہ پر اکتفا نہ کریں، بلکہ قرآن کا حقیقی فہم حاصل کرنے کے لیے علماء کرام کی طرف رجوع کریں، ورنہ ممکن ہے کہ قرآن کے حقیقی مفہوم سے دور نکل جائیں۔

❷ علماء کرام، ائمہ وخطباءِ مساجد کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ وہ قرآن مجید کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کا ادراک کریں۔علماء ہی قرآنی احکام کی تفسیر اوراس کے مفاہیم کی تشریح کرنے میں حقیقی دسترس رکھتے ہیں۔ دوسروں کی نسبت علماء کرام پر قرآنی خدمت کی مسئولیت زیادہ ہے، کیونکہ انہیں ان علوم میں رسوخ حاصل ہے، جن کی وجہ سے قرآن مجید کے معارف ومحاسن تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔علوم اسلامیہ کی تحصیل کے باعث علماء پر لازم ہے کہ پہلے وہ خود قرآن کریم کے اسرار ومعانی کی معرفت حاصل کریں، پھر، ان کی تعلیم وتدریس کے ذریعے عوام الناس کے دنیوی معاملات کی اصلاح کریں تا کہ وہ اپنی آخرت سنوار سکیں۔امت جس بحرانی کیفیت سے گزر رہی ہے، اس کا ازالہ قرآن مجید سے ہی ممکن ہے۔قرآنی تعلیمات عام کرنے اوراس کی تعمیل کو یقینی بنانے سے ہی زوالِ امت کوترقی اورعروج میں بدلا جاسکتا ہے۔ [جاری ہے]

*****

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تدفین

کیا حضرت سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو امّ المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں دفن کیا جائے گا؟

علامہ ابو شاہد غلام مصطفیٰ نوری

احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام قیامت سے قبل زمین پر تشریف لائیں گے، کیوں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس پر اجماع امت ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر زندہ ہی اٹھالیا تھا۔

بعض احادیث وآثار میں مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر تشریف لانے کے بعد جو زندگی گزاریں گے، اس میں شادی کریں گے، اولاد ہوگی اور پھر وصال ہوگا۔ حضور پرنور نورٌ علیٰ نور آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں گے۔ پچھلے دنوں غیر مقلدین حضرات کے ایک ہفت روزہ جریدے میں ایک مضمون شائع ہوا، جس میں یہ تاثر دیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حجرۂ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں دفن ہونے کی بات عام لوگوں میں بے حد مشہور ہے، جب کہ اس سلسلے میں جو روایات پیش جاتی ہیں، وہ ثابت نہیں ہیں۔ چنانچہ مضمون نگار نے کچھ آثار بیان کر کے پھر اپنے خیال کے مطابق ان پر جرح ونقد کر کے بزعم خود فیصلہ دے دیا کہ یہ سب آثار ناقابلِ اعتبار ہیں، ان میں کوئی بھی ثابت نہیں ہے، جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے:

پہلی روایت

اس سلسلے میں مضمون نگار نے جو پہلی روایت بیان کی ہے، اس کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ اس میں عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی ہیں، جن پر علماء نے سخت کلام کیا ہے (بحوالہ میزان الاعتدال)، ابن الجوزی سے نقل کیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور افریقی ضعیف ہیں، پھر حافظ ذہبی سے نقل کیا کہ یہ روایت منکر ہے، جو چلنے کے قابل نہیں، اسی طرح البانی نے کہا کہ یہ روایت منکر ہے۔

جرح کا جواب

❶ ...... محدثین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ موضوع ہے۔

اصطلاحِ محدثین میں سب سے اعلیٰ درجہ کی حدیث صحیح ہوتی ہے، اس کے بعد درجۂ حسن کی حدیث ہے، اس کے بعد ضعیف۔ صحیح کی نفی سے حسن کی نفی بھی نہیں ہوتی، چہ جائے کہ ضعیف سے بھی تجاوز کر کے اسے موضوعات میں شمار کر دیا جائے۔ صحیح کی نفی سے حسن کی نفی نہیں ہوتی۔ [موضوعاتِ کبیر ملا علی قاری، صفحہ ۳۳، مطبوعہ نور محمد، آرام باغ، کراچی]

عدم صحت سے حدیث کا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

[موضوعات کبیر ملا علی قاری، صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۹]

شیخ عجلونی، ملا علی قاری کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ:

لا یلزم مِن عدم صحّتِہ نفی حسنہ ....---

[کشف الخفاء، جلد ۱، صفحہ ۱۵۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان]

❷ ...... ابن جوزی جرح میں متشدد ہیں اور متشدد کی جرح معتبر نہیں اور بغیر ضعف کا سبب بیان کیے کسی راوی کو ضعیف کہنا، یہ جرح مبہم ہے جو کہ معتبر نہیں اور کسی راوی کا بعض منکر روایات بیان کرنا یہ بھی اس کے ضعیف ہونے کو مستلزم نہیں۔ ابن الجوزی حدیث کو موضوع کہنے میں متساھل ہیں۔ [اللآلی المصنوعۃ للسیوطی، جلد ۲، صفحہ ۳۸]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور حدیث کے بارے میں، جسے ابن الجوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کر کے برا کیا ہے۔ [ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۳۴]

اور علامہ ذہبی ابنِ جوزی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

و کان کثیر الغلط ....، له و هم کثیر فی توالیفه---

[تذکرۃ الحفاظ، المجلد الثانی، جزء۴، صفحہ۹۵، مطبوعہ بیروت، لبنان]

''ابنِ جوزی کی بہت سی غلطیاں ہیں اور اس کی کتابوں میں بھی بہت سے وہم ہیں''---

توثیقِ عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا، وہ کہتے تھے کہ عبدالرحمٰن بن زیاد ثقہ ہیں۔

(عباس) دوری نے ابنِ معین سے نقل کیا ہے، لیس به بأس ....---

یعقوب بن سفیان نے کہا ''لا بأس به'' اس کی حدیث میں کوئی حرج نہیں۔

ابو داؤد نے کہا کہ میں نے احمد بن صالح سے پوچھا، کیا ان کی حدیث کے ساتھ دلیل پکڑی جائے، تو احمد بن صالح نے کہا، ہاں۔ میں نے کہا، یہ صحیح الکتاب ہیں؟ کہا، ہاں۔

امام ترمذی نے کہا کہ میں نے امام محمد بن اسماعیل (بخاری) کو دیکھا، وہ ان کے امر کو قوی کرتے تھے (یعنی ان کو قوی جانتے تھے) اور امام بخاری فرماتے تھے:

''یہ مقارب الحدیث ہیں''---

اور احمد بن صالح اس راوی پر جرح کرنے والوں کی جرح کا انکار کرتے تھے اور فرماتے تھے: یہ ثقہ ہیں۔ اور کہتے تھے کہ جس نے بھی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم پر جرح کی وہ مقبول نہیں ہے، کیونکہ یہ راوی ثقات سے ہیں۔

ابوالعرب قیروانی نے کہا، ابن انعم، جلیل القدر تابعین میں سے ہیں اور عادل قاضی ہیں۔

اور سحنون نے کہا کہ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم ثقہ ہیں اور مسلم بن یسار نے کہا، نیک آدمی ہیں۔ (ملخصًا)

[تہذیب التہذیب، جلد۳، صفحہ۳۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث]

مذکورہ بالا سطور سے واضح ہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی، قابلِ اعتماد ہیں۔ محدثین نے جو الفاظ ان کی تعدیل میں بیان کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

لیس به بأس ، لا بأس به ، یحتج به ، صحیح الکتاب ، مقارب الحدیث،

ثقة ، قوی ، من الثقات ، من اجلہ التابعین ، عادل ، قاضی ، رجل صالح---

اس کے تقابل میں جو اس پر جرح ہے وہ یا تو مبہم ہے، جو کہ طے شدہ اصول کے مطابق مردود ہے۔ دیکھیے، غیر مقلد عبدالرحمٰن مبارک پوری جرح مبہم کے بارے میں کہتے ہیں:

فھو جرح من غیر بیان السبب فلا یقدح---[ابکار المنن، صفحہ ۶۸]

''جرح مبہم کا کوئی نقصان نہیں ہے''---

اسی طرح ابکار المنن کے صفحہ ۱۴۸ پر بھی جرح مبہم کو ناقابلِ اعتبار ہونا بیان کیا ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۲۲ پر متشددین کی جرح کا بھی انکار کیا ہے (یہ گھر کی گواہی بہت بھاری ہے، اگر سمجھو تو) یا اس پر متشددین کی جرح ہے، وہ بھی طے شدہ اصول کے مطابق مردود ہے۔ غیر مقلدین کے قابلِ اعتماد ارشاد الحق اثری نے بھی جرح مبہم کو تعدیل کے مقابلہ میں مردود لکھا ہے۔ [توضیح الکلام ،جلد ا، صفحہ ۳۰۸، مطبوعہ ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد]

جب جرحِ مبہم مردود ہے تو ان کی ثقاہت ہی مقدم ہے، پھر ان پر بعض ائمہ نے جرح کرنے والوں کی جرح کا انکار بھی کیا ہے، دیکھیے سابقہ سطور میں۔ لہٰذا یہ راوی ثقہ، عادل، صدوق ہیں اور ان کی حدیث اگر درجہ صحت پر نہ بھی فائز ہو تو درجۂ حسن سے تو کم نہیں ہے، جب کہ اس روایت کے اور بھی شواہد ہیں، شواہد کے ساتھ تو ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے، یہ روایت تو خود حسن سے کم نہیں ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ شاہد کے لیے قوی ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ یعنی شاہد روایت اگرچہ ضعیف ہی ہو، پھر بھی وہ اصل روایت کو تقویت پہنچاتی ہے، اور یہ بات حدیث شریف کے خدام پر مخفی نہیں ہے۔

اب اس روایت کے شواہد پیش خدمت ہیں:

دوسری روایت بطور شاہد اول

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَکْتُوْبٌ فِی التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ وَصِفَةُ عِیسَی ابْنِ مَرْیَمَ یُدْفَنُ مَعَهُ---

''تورات میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفت مکتوب ہے اور یہ کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے ساتھ دفن ہوں گے''---

[جامع ترمذی، جلد ۵، صفحہ ۵۸۸/ تاریخ کبیر بخاری، جلد ا، صفحہ ۲۶۳]

آجری نے کتاب الشریعة میں، ابنِ عبدالبر نے التمھید، جلد ۱۴، صفحہ ۲۰۲ میں ذکر کیا ہے۔

مضمون نگار نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد اس پر جرح کی ہے کہ اس کی سند میں عثمان بن الضحاك الاسدی ہیں اور یہ ضعیف ہیں، بحوالہ کاشف للذهبی، و تقریب ابن حجر

جرح کا جواب

❶ ...... یہ جرح مبہم ہے، کہ ضعف کا سبب بیان کیے بغیر اسے ضعیف کہا ہے، گزشتہ سطور میں دیکھیں کہ جرحِ مبہم قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

❷ ......ابنِ حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ [تهذیب التهذیب، جلد۴، صفحہ۸۱]

اس مذکور اثر کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن ترمذی میں بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:

قال ابو عیسٰی ھٰذا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْب---[جامع ترمذی، جلد۵، صفحہ۵۸۸]

''امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو حسن غریب فرمایا ہے''---

اور یہ بات خدام حدیث پر مخفی نہیں کہ غرابت منافیٔ صحت نہیں ہے۔تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اس اثر کو حسن کہنا، یہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس اثر کے رواۃ کی تعدیل وتوثیق ہے، اگرچہ ایسی تعدیل وتوثیق درجہ ثانویہ میں آتی ہے، اور حدیث حسن تو حلال وحرام کے احکام میں بھی حجت ہوتی ہے اور زیر بحث مسئلہ تو فقط فضائل سے متعلق ہے، جس کے لیے بچند شرائط حدیثِ ضعیف بھی کافی ہوتی ہے، لیکن یہاں تو حدیثِ حسن موجود ہے اور اس کے بعض مؤیدات بھی ہیں، پھر اس کا انکار کیوں ہے۔

تیسری روایت بطور شاہد ثانی

غیر مقلدین کے علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری اسی اثر کی تشریح میں کہتے ہیں:

وَ فِیْ أَخْبَارِ الْمَدِیْنَةِ مِنْ وَجْهٍ ضَعِیْفٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ قَالَ إِنَّ قُبُوْرَ الثَّلَاثَةِ فِیْ صُفَّةِ بَیْتِ عَائِشَةَ، وَ هُنَاكَ مَوْضِعُ قَبْرٍ یُّدْفَنُ فِیْهِ عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ---

''اخبار مدینہ (کتاب) میں ضعیف طریق سے حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ (تابعی جلیل القدر) سے مروی ہے، آپ نے فرمایا کہ حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں تین قبور ہیں اور ایک قبر کی جگہ خالی ہے، وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون ہوں گے''---

پھر مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں:

وَ یُؤَیِّدُہٗ أَیْضًا حَدِیْثُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَنْزِلُ عِیسَی اِبْنُ مَرْیَمَ إِلَی الْاَرْضِ فَیَتَزَوَّجُ وَ یُولَدُ لَہٗ وَ یَمْکُثُ خَمْسًا وَّ أَرْبَعِیْنَ سَنَۃً ثُمَّ یَمُوْتُ فَیُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ---

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے، شادی کریں گے، ان کی اولاد ہوگی اور پینتالیس (۴۵) سال رہیں گے، پھر وفات ہوگی اور میرے پاس قبر میں دفن کیے جائیں گے''---

پھر کہتے ہیں:

رَوَاہُ بْنُ الْجَوْزِیِّ فِیْ کِتَابِ الْوَفَاءِ ذَکَرَہُ الشَّیْخُ وَلِیُّ الدِّیْنِ فِی المشکاۃ و لم أقف عن سَنَدِہٖ (بلفظہ)---

[تحفۃ الاحوذی، جلد۱۰، صفحہ۸۶، مطبوعہ دار احیاء التراث]

اس روایت کی یہ روایت بھی تائید کرتی ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔

مبارک پوری غیر مقلد صاحب ان روایات کی بعض سے بعض کی تائید کر رہے ہیں، جس سے اصل روایت کو مزید تقویت ملتی ہے، جب کہ اصل روایت تو خود درجہ حسن کی روایت ہے۔

چوتھی روایت بطور شاہد ثالث

پھر اس روایت کو مبارک پوری غیر مقلد صاحب نے اور شیخ ولی الدین صاحبِ مشکوٰۃ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ والی روایت ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الوفا کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے الوفا کے ابتدائیہ میں صراحت کی ہے کہ میں نے مصمم ارادہ کیا کہ اللہ کے محبوب ﷺ کی سیرت پر ایسی مختصر اور کثیر المواد کتاب تحریر کروں، جو صحیح روایات سے مبرہن ہو اور اس میں جملہ انبیاء کرام علیہم السلام پر آپ کی افضلیت ثابت کی گئی ہو۔ خدائے رؤف و رحیم کا صد ہزار شکر کہ اس نے میری آرزو پوری کر دی۔

[الوفا مترجم، صفحہ۱۱، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ابتدائیہ سے واضح ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں

صرف صحیح احادیث ہی بیان کی ہیں اور زیر بحث روایت بھی کتاب الوفا میں ذکر کی ہے، جیسا کہ صاحبِ مشکوۃ نے اور غیر مقلد علامہ مبارک پوری صاحب نے بھی کتاب الوفا کا ہی حوالہ دیا ہے۔

مضمون نگار نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے:

لا یصح ولا یتابع---

''یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس کی متابعت نہیں کی گئی''---

جواب

گزشتہ سطور میں یہ بات بیان ہوچکی ہے کہ صحیح کی نفی سے حسن کی نفی نہیں ہوتی، اسی لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید بھی ہیں، انہوں نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔اور لا یتابع کی جرح بھی مضر نہیں ہے، اس لیے قابلِ التفات نہیں ہے۔

اسرائیلی روایت کا ہونا

مضمون نگار نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ اسرائیلی روایات میں سے ہے، اس کے متعلق غیر مقلدین کے محقق عالم ارشاد الحق اثری صاحب کی یہ عبارت کافی ہے:

''لیکن اہلِ کتاب سے روایت کرنا کوئی عیب نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

حَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَ لَا حَرَجَ---

[بخاری، جلد۱، صفحہ۴۹۱/ ترمذی، جلد۳، صفحہ۳۷۹ وغیرہ]

''بنی اسرائیل سے بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں''---

[توضیح الکلام، صفحہ۲۴۸، مطبوعہ ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد]

اعتراض

''محمد بن یوسف بن عبداللہ بن سلام اسرائیلی کی توثیق کسی معتبر امام جرح و تعدیل کی جانب سے نہیں ملتی، ابنِ حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا ہے، حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مقبول کہا ہے''---[بلفظہ]

جواب

آپ کی تحریر سے واضح ہے کہ آپ امام ابنِ حبان کو معتبر نہیں مانتے، پھر جو ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ

نے مقبول کہا ہے، یہ جرح تو نہیں ہے بلکہ یہ بھی تعدیل ہی ہے۔ پھر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن کہہ کر اس اثر کے تمام رواۃ کی توثیق کر دی ہے۔ کیا آپ کے نزدیک امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی معتبر نہیں ہیں۔ معلوم ہوا آپ کی جرح اس روایت پر صحیح نہیں ہے اور یہ روایت الحمد للہ درجہ حسن کی روایت ہے۔

پانچویں روایت بطور شاہد رابع

جیسا کہ غیر مقلد صاحب نے ابنِ عساکر کی تاریخ دمشق، جلد ۴۷، صفحہ ۵۲۲/ اور ابن الآبار نے التکملۃ لکتاب الصلۃ، جلد ۱، صفحہ ۲۰، میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت درج کی ہے اور بطورِ تبصرہ کہا کہ اس میں محمد بن عبداللہ بن عبدالعزیز کا ترجمہ مجھے نہیں ملا اور اس میں شعیب راوی مختلف فیہ ہے، ابو حاتم رازی نے لا بأس بہ کہا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں، اور ابنِ حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے اور بعض نے اس پر غیر مضر جرح بھی کی ہے تو ایسا راوی جس کی ثقاہت ثابت ہو اور اس پر جرح بھی ہو۔ اگر جرح شدید نہ ہو جیسا کہ راوی کا کذاب ہونا یا متھم بالکذب ہونا، تو ایسے راوی کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہوتی۔ پھر سند میں ایک یا زیادہ رواۃ کا مجہول ہونا بھی نہ تو اس روایت کو متابع یا شاہد بننے سے مانع ہوتا ہے اور نہ ہی اس وجہ سے روایت کو موضوعات میں شمار کیا جا سکتا ہے، لہٰذا یہ روایت بھی شاہد بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

خلاصہ

اصل روایت خود درجہ حسن کی روایت ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور چار اس کے شاہد موجود ہیں، تو یہ روایت جو خود درجہ حسن کی ہے، اپنے چار شواہد کے ساتھ مل کر مزید مضبوط ہو گئی، لہٰذا یہ کہنا کہ اس بارے میں کوئی روایت ثابت نہیں، محض سینہ زوری ہے۔

علم غیب

مضمون نگار نے آخر میں کہا کہ یہ غیب کی بات ہے کہ کس کی وفات کب اور کہاں ہو گی (یعنی کون کہاں دفن ہو گا) غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جواب

جو علم غیب خاصۂ الوہیت ہے، وہ ذاتی، محیط، مستقل بالذات ہے اور حضور ﷺ کا علم غیب اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے، جیسا کہ کئی آیات مبارکہ سے ظاہر ہے:

❶ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ---[الجن،۷۲: ۲۶، ۲۷]

❷ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ---[آل عمرٰن،۳: ۱۷۹]

❸ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ۝---[التکویر،۸۱: ۲۴]

❹ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ---[البقرة،۲: ۲۵۵]

لہٰذا عطائی علم غیب کا انکار، آیاتِ قرآنی کا انکار ہے اور احادیث تو اس بارے میں بکثرت موجود ہیں۔

حدیث

حضرت سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خلق کی ابتدا سے لے کر روزِ قیامت تک، اہلِ جنت کے جنت میں داخل ہونے تک اور اہلِ دوزخ کے دوزخ میں داخل ہونے تک، سب کچھ بتا دیا، پس جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے بھلا دیا بھول گیا۔[صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۴۵۳]

حدیث

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلنے کے وقت باہر تشریف لائے، نماز ظہر ادا فرمائی اور منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور قیامت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس دن بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے۔ پھر فرمایا، جو کوئی کسی شے کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے، پوچھ لے، تم جس چیز کے متعلق بھی مجھ سے پوچھو گے، تمہیں بتاؤں گا، جب تک میں اس جگہ ہوں۔[صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۷۷، کتاب مواقیت الصلوۃ]

حدیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے جو کچھ قیامت کے قائم ہونے تک ہونے والا ہے، کے بارے میں خبر دے دی۔[صحیح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۳۹۰]

حدیث

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

فَأَخْبَرَنَا بِمَا کَانَ وَ بِمَا ھُوَ کَائِنٌ فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا---

[صحیح مسلم، جلد۲، صفحہ ۳۹۰، کتاب الفتن]

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ بھی ہونے والا ہے، سب کچھ بیان کر دیا''---

حدیث

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ بدر کے ایک روز قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ مقامات دکھا دیے جہاں پر وہ کفار قتل کیے جائیں گے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

ھٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ---

کل فلاں یہاں مرے گا ان شاء اللہ، کل فلاں یہاں مرے گا ان شاء اللہ---

(حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے ہیں:

فَوَالَّذِیْ بَعَثَہٗ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَئُوا الْحُدُوْدَ الَّتِیْ حَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ---

''قسم اس ذات کی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا کہ جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کافروں کے مرنے کے نشانات لگائے، وہاں پر ہی وہ مرے اور ذرا بھی اس نشان سے متجاوز نہیں ہوئے''---

[صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها و اهلها، باب عرض مقعد المیت من الجنة أو النار علیه / مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۴۲، کتاب المعجزات]

ان احادیثِ مبارکہ سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ما کان و ما یکون کے غیوب عطا فرمائے ہیں۔ اسی لیے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ غیبی خبر ارشاد فرمائی ہے کہ ان کی تدفین میرے ساتھ حجرۂ عائشہ میں ہوگی۔

دلائل و براہین سے واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساتھ تدفین محض عوام کی مشہور کردہ بات نہیں، بلکہ آثار و روایات سے ثابت ہے۔

❀❀❀❀❀

ملک کے حالات بزبانِ اخباری قطعات

انتخاب: صاحبزادہ محمد سعد اللہ نوری
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

سردی

انوار عزمی

جن کی آنکھوں نے کبھی دیکھا نہیں — وہ مناظر بھی ہمیں دکھلائیں گی
بیت جانے دیجیے کچھ اور سال — سردیاں بھی گرمیوں میں آئیں گی

[روزنامہ امت، کراچی، ۱۷ر دسمبر ۲۰۲۱ء]

کون چور

انور شعور

جانے مجرم کون ہے، معصوم کون — کون آدم، کون آدم خور ہے
جو نظر سے بچ گیا، وہ بچ گیا — اور جو پکڑا گیا، وہ چور ہے

[روزنامہ جنگ، لاہور ۱۳ر دسمبر ۲۰۲۱ء]

کراچی

انور مسعود

کراچی شہر اگر خوش حال ہو گا — تو پاکستان مالامال ہو گا
مگر اس بات کی کس کو خبر ہے — کہ ایسا واقعہ کس سال ہو گا؟

[روزنامہ ایکسپریس، لاہور، ۱۶ر دسمبر ۲۰۲۱ء]

تصویر

انور شعور

گرفتار کر کے ، گرفتار ہو کے
کل اخبار میں ایک تصویر دیکھی
وہ پہلو سے پہلو ملا کر کھڑے ہیں
پولیس اور ڈاکو برابر کھڑے ہیں

[روزنامہ جنگ، لاہور ۱۹/دسمبر ۲۰۲۱ء]

قبضۂ جہالت

ڈاکٹر اشفاق احمد ورک

ترقی کی خاطر ہیں درکار ہم کو
امانت ، دیانت ، صداقت ، ذہانت
میرے چار جانب ہے قبضہ جمائے
جہالت ، جہالت ، جہالت ، جہالت

[روزنامہ ۹۲ نیوز، لاہور، ۱۹/دسمبر ۲۰۲۱ء]

لا تقنطوا

انور مسعود

قبولیت ضرور اس کو ملے گی
ہماری جو دعائے نیم شب ہے
بڑی مدت سے اس کے منتظر ہیں
ہمیں اچھی قیادت کی طلب ہے

[روزنامہ ۹۲ نیوز، لاہور، ۱۹/دسمبر ۲۰۲۱ء]

تعلیم

حاصل تمنائی

دنیا میں اجالا یدِ بیضا سے ہوا تھا
جس قوم کا آغاز ہی اقراء سے ہوا تھا
تاریکی و ظلمت میں ہے کیوں ملتِ بیضا
تعلیم میں پیچھے ہے جہالت میں ہے آگے

[روزنامہ اسلام، کراچی، ۱۲/دسمبر ۲۰۲۱ء]

نان روٹی

سعد اللہ شاہ

اللہ ہی جانے کیا ہے تحفظ پروگرام
مہنگائی تو غریب کی لے لے گی، جیسے جان
اک بے یقینی ہم کو نظر آتی ہے ہر آن
بارہ روپے کی روٹی، اٹھارہ روپے کا نان

[روزنامہ ۹۲ نیوز، لاہور، ۱۰/دسمبر ۲۰۲۱ء]

ڈالر

انوار عزمی

اور بھی پستہ قد ہوا روپیہ
بڑھ گئی اور شان ڈالر کی
لاکھ تدبیریں آزمائیں مگر
رک نہ پائی اڑان ڈالر کی

[روزنامہ ۹۲ نیوز، لاہور، ۱۹/دسمبر ۲۰۲۱ء]

❀❀❀❀❀

اصولِ تحقیق میں متنِ مقالہ کے مسائل

پروفیسر ڈاکٹر محمد طفیل●

ترقی یافتہ دنیا میں نہ صرف جامعات کو تحقیقی کاموں کے لیے کارگاہ قرار دیا جاتا ہے، بلکہ تحقیقی امور سرانجام دینے اور نت نئے نتائجِ تحقیق اور تحقیقِ مواد (Research Products) حاصل کرنے کے لیے مستقل اور مضبوط ادارے بھی قائم کیے جاتے ہیں۔ نیز تحقیقی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے فکری مجالس (Think Tank) بھی قائم ہو کر پروان چڑھتی رہتی ہیں۔ اسی لیے جامعات کو تحقیق کے بنیادی مراکز اور تحقیقی رجحانات کے تخلیق کار (Producers) قرار دیا جاسکتا ہے اور ترقی یافتہ ممالک اور ریاستوں کی مؤخر جامعات میں دو طرح کے اساتذہ کا تقرر عمل میں آتا ہے۔ اساتذۂ تدریس اور اساتذۂ تحقیق۔ اگرچہ ان دونوں قسم کے اساتذہ میں نہ تو کوئی خاص امتیاز روا رکھا جاتا ہے اور نہ ہی ان کے دائرۂ کار میں کوئی حد فاصل یا خطِ متارکہ (Deviding Line) کھینچا جاسکتا ہے، تاہم اساتذۂ تحقیق بنیادی طور پر اس امر کے ذمہ دار ہوتے ہیں کہ وہ اپنے موضوع اور اس کے وسیع تر دائرۂ کار میں تحقیقی سرگرمیوں کو

●......استاذ (ر) بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

فروغ دیں، تحقیقی کارکنوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کریں، تحقیق کرنے کے لیے نئے نئے میلانات کی نشان دہی کریں اور نتائجِ تحقیق (Research Results and Products) کو انسانی زندگی میں رائج اور راسخ کریں، نیز صنعت وحرفت اور معاشرہ کے مابین رابطہ کا کام کریں۔ اساتذۂ تحقیق کے فرائضِ منصبی میں یہ ذمہ داری بھی شامل ہوتی ہے کہ وہ تحقیقِ امور کو جلا بخشنے اور فروغ دینے کے لیے منہجِ تحقیق (Research Methodology) بھی مرتب کریں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے تحقیقی ادارے اور ان سے منسلک افراد اپنا اپنا منہجِ تحقیق اپناتے ہیں اور اسی منہج کے مطابق پیش کردہ تحقیق کو معیاری قرار دیتے اور قبول کرتے ہیں۔ مزید برآں ہر ادارے یا جامعہ نے اپنا اپنا ''دستورِ تحقیق'' (Research Manual) مرتب کر کے شائع کر رکھا ہے۔ نیز ان دساتیرِ تحقیق میں رومن دساتیر کو کلیدی مقام حاصل ہے اور ان دساتیر کے مطابق اپنی تحقیق مکمل کر کے فارغ التحصیل اساتذۂ کرام اپنے تلامذہ اور نئی نسل کے محققین کو بھی انہیں دساتیر کے پابند اور پیروکار بناتے ہیں اور یوں ان دساتیرِ تحقیق کو عالمی شہرت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا دستورِ تحقیق شکاگو، دستورِ تحقیق آکسفورڈ، دستورِ تحقیق جامعۃ الازہر اور دستورِ تحقیق دانش گاہِ تہران کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، جو نہ صرف پوری دنیا میں قبولیتِ عام کا درجہ رکھتے ہیں، بلکہ انھیں دساتیر کے اصول وضوابط کا نام منہجِ تحقیق ہے، جو ایک مضمون کے طور پر دنیا کی بیش تر جامعات میں پڑھایا جاتا ہے اور اس کے مطابق تحقیقی مواد تیار کر کے اعلیٰ سندات عطا کی جاتی ہیں۔

ان دساتیرِ تحقیق کے گہرے مطالعہ اور ان کے مقرر کردہ اصول وضوابط پر تحقیقی امور میں عمل پیرا ہونے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان میں سے اکثر دساتیرِ تحقیق میکانکی تحقیق (Mechanical Research) پر بہت توجہ دیتے ہیں اور اس کا ایک ایک نکتہ پوری کاوش اور وضاحت سے مثالوں کے ذریعے اجاگر کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ وقفِ تام، وقفِ ناقص، خط کشیدہ الفاظ، عبارات کا حجم (Font)، نیز ابواب بندی، فہارس کی تیاری، حوالہ تحریر کرنے کا طریقِ کار اور فہرستِ مصادر و مراجع ترتیب دینے تک کے ہر ہر پہلو پر اپنے قواعد وضوابط کے ذریعے سے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ لیکن اصل تحقیق (Real Research) پر یا تو وہ توجہ ہی نہیں دیتے یا اس کے بارے میں چند موہوم (Super Facial) سے قواعد وضوابط

بیان کر کے دم سادھ لیتے ہیں۔

اصل تحقیق سے ہماری مراد کسی بھی تحقیقی منصوبے کی تکمیل کے بعد اس کے بارے میں فراہم کیا جانے والا وہ تحریری مواد ہے، جو تحقیق کا پسِ منظر، اس کا طریقِ کار، اس کے مواد کی پیش کاری، نتائجِ تحقیق اور اس حوالے سے مستقبل کا لائحہ عمل (Practical Path) یا کرنے والے کاموں کی نشان دہی کرتا ہے، جسے ہم کسی بھی تحقیقی وثیقہ کے ''متن'' (Text) کا نام دیتے ہیں۔ یہ متن ہی ہے، جو نہ صرف نتائجِ تحقیق بیان کرتا ہے، بلکہ وہی ساری تحقیق کے تمام پہلوؤں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اگر کسی بھی تحقیقی منصوبے (Research Project) میں سے اس کا بیان کرنے والا ''متن'' خارج کر دیا جائے، تو وہ منصوبہ اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

اہلِ تحقیق سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ کسی تحقیقی منصوبہ کی تکمیل کے بعد اس کا ایک ''وثیقہ'' (Document) تیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اعلیٰ ڈگری کے حصول کے لیے مکمل کی جانے والی تحقیق کا ماحصل (Out Come) بھی ایک مقالہ یا اطروحہ (Thesis or Dissertation) کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے، جو چند اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان اجزاء میں موضوع کا تعارف، اہمیت اور تحدید، منہجِ تحقیق، تحقیق کے سوالات یا فرضیہ (Hypothesis) میسر مواد کی نشان دہی، حوالہ جات، نتائجِ بحث، سفارشات، فہارس، فہرست مصادر و مراجع وغیرہ سبھی شامل ہوتے ہیں۔ ان اجزاء کا سب سے اہم، بنیادی (Primary) اور مکمل جزو ''متن'' ہوتا ہے۔ جو تحقیق کی جان اور مقالہ کا صلب (Back Bone) ہوتا ہے، جو نہ صرف مقالہ کے ابواب، فصول، مقاصد اور مضامین پر مشتمل ہوتا ہے، بلکہ یہ متن ہی ہے جو تحقیقی نتائج کا عکاس اور تحقیقی کاوشوں کی نشان دہی اور نمائندگی کرتا ہے۔ متن نگاری (Text Writting) کے اپنے بہت سے مسائل اور مشکلات ہیں، جن میں سے ہم بعض کی سطورِ ذیل میں نشان دہی کرنے کی کوشش کریں گے۔

''متن'' ہی اصل تحقیق کا مظہر ہوتا ہے، وہی تحقیق کا ڈھانچہ ہوتا ہے، وہی تحقیق کے اسلوب اور نتائج کا حامل ہوتا ہے، جب کہ تمام میکانکی معلومات (Mechanical Information) اسی ''متن'' کی تشریح و تعبیر کے لیے ہی شاملِ مقالہ کی جاتی ہیں۔ واضح رہے کہ متنِ مقالہ کے علاوہ مقالہ میں درج دیگر تمام امور یا تو مقالہ کی ابتداء میں بیان کیے جاتے ہیں، جیسے مقدمہ، تحقیقی سوال نامہ، موضوع کی تحدید وغیرہ یا ایسی چیزیں مقالہ کے آخر میں تحریر کی جاتی ہیں،

جیسے انواع و اقسام کی فہارس، تکملہ، تتمہ یا ضمیمہ، فہرست مصادر و مراجع وغیرہ۔ اس لیے ''متن'' سے مراد مقالہ کا وہ صلبی مواد ہے، جو کسی مسئلہ کو بیان کرنے کے لیے ابواب، فصول اور ذیلی موضوعات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔ نیز نتائجِ بحث، حاصلِ مطالعہ، تحقیقی سوالات کے جوابات اور مستقبل کا لائحۂ عمل (Manifesto) بھی ''متن'' کا حصہ قرار دیے جاتے ہیں، لہٰذا متن کی تعریف وتحدید اس طرح بیان کی جاسکتی ہے۔

متن تحقیقی کام کا وہ لازمی حصہ ہوتا ہے جو مقررہ موضوع پر ابواب وفصول کی مقررہ شکل اور اسلوب میں تحقیقی کام کا مکمل بیانیہ ہوتا ہے، جس میں پہلے باب سے لے کر سفارشات تک کا پورا مواد شامل ہوتا ہے، جو نہ صرف اپنے بیان میں خود کفیل (Self Sufficiant) ہوتا ہے، بلکہ وہ اپنی تشریح بھی خود ہی بیان کرتا ہے اور اپنے مقررہ موضوع کے تمام پہلوؤں کی بھی خود ہی وضاحت کرتا ہے۔

اس تعریف وتحدید کی روشنی میں ''متن'' نہ صرف تحقیق کی جان ہوتا ہے، بلکہ وہ تحقیقی سوال کی وضاحت کرنے اور اس کے متنوع پہلوؤں کے جوابات دینے کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے، جو اپنے موضوع پر ایک جامع اور مانع بیانیہ ہوتا ہے، جس میں تفصیل یا اختصار کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ البتہ ''متن'' میں بیان کردہ امور میں ایک منطقی ربط سے طبعی تسلسل مراد ہوتا ہے، تاکہ وہ اپنے موضوع کا حقیقی مضمون میں عکاس اور ترجمان بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سائنسی اور ریاضی کے موضوعات کا متن ایک صفحہ پر بھی مشتمل ہوتا ہے، جب کہ سماجی علوم (Social Sciences) کے تحقیقی مقالات کے متون انتہائی تفصیلی اور طویل ہوتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عام تحقیقی مقالہ کا ''متن'' سو صفحات سے زیادہ نہ ہو، جب کہ ماسٹر کے مقالات کا حجم تین سو صفحات تک محدود ہو اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے مقالات کے متن کی ضخامت پانچ سو صفحات تک محدود رکھی جائے۔

تحقیقی موضوعات کے متون کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

❶ وہ متن جو کسی مخطوطہ (Manuscript) سے تعلق رکھتا ہو، جو ابھی تک تحقیق کی کسوٹی پر نہ پرکھا گیا ہو اور جسے چھان پھٹک کر کے مختلف نسخوں کی مدد سے اس کی صحیح ترین عبارات کا تعین کر کے، نیز اس پر ضروری حواشی کا اضافہ کر کے اسے قابلِ طباعت اور

لائقِ اشاعت بنایا جانا ہو۔ واضح رہے کہ ایسے ''متن'' کا تعلق خطی نسخوں اور قلمی کتابوں سے ہی ہوتا ہے۔ ان متون پر کام کرنے کو عربی زبان میں ''تحقیق'' اور انگریزی زبان میں (Editting) کہا جاتا ہے۔ ایسے متن کی تحقیق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ متن کی اصح عبارت کا تعین کیا جائے، مصنف کی حقیقی مراد معلوم کی جائے، مختلف خطی نسخوں میں عباراتی اختلافات کا تدارک کیا جائے، نیز متن میں موجود غیر مانوس اصطلاحات، غریب اور اجنبی الفاظ اور غیر معروف عبارات اور مبہم جملوں اور اجزائے جملہ کی اس طرح وضاحت اور تعبیر وتشریح کی جائے کہ قاری متن کو پورا پورا سمجھ سکے۔ یہ کام میکانکی تحقیق کے زمرہ میں شامل ہوتا ہے۔ متن کی یہ قسم قدیم تحریروں کا احاطہ کرتی ہے اور ہمارے حوالے سے گہری تحقیق (Deep Research) کے دائرہ کار میں آتی ہے۔

❷ متن کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جس کا تعلق تحقیقی مواد سے ہوتا ہے۔ یہ متن عام تحقیقی تحریروں، ایم فل، پی ایچ ڈی کے مقالات، نیز تحقیقی کارروائیوں اور مستقبل کی منصوبہ بندیوں کا بیانیہ (Narrative) ہوتا ہے۔ بلکہ یہ ''متن'' مقررہ موضوع کی تحدید، تحقیق اور وضاحت کر کے موضوع کے نتائج تحقیق تک پہنچاتا اور اس کے افادی پہلوؤں کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ متن اس قدر عام ہے کہ ہر تحقیقی منصوبہ کی جان اور ہر محقق کی ضرورت ہوتا ہے۔ اس متن کے بغیر کوئی بھی تحقیقی عمل ادھورا اور نامکمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر تحقیقی عمل کا ایک بیانیہ ہوتا ہے، جو متنوع ابواب وفصول پر مشتمل ہو کر متن کہلاتا ہے۔

متن چونکہ تحقیقی مقالہ کا بنیادی عنصر (Basic Element) ہوتا ہے اور ساری تحقیق پر مشتمل ہوتا ہے، اس لیے وہ ایک طویل بیان (Length Statement) ہوتا ہے، جس کی بہت سی جہتیں اور متنوع پہلو ہوتے ہیں، اسی لیے مقالات کے متون کو عموماً ابواب، فصول، ذیلی عنوانات، نکات، ذیلی نکات اور پیراگراف وغیرہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاہم متون میں یہ تقسیم عام طور پر ابواب اور فصول وغیرہ ہی میں اپنائی جاتی ہے اور ابواب وفصول کو عددی نمبر عطا کیے جاتے ہیں، جیسے پہلا باب اور چھٹی فصل وغیرہ۔ متن کی تقسیم کا یہ اسلوب (Style) مشرق ومغرب اور عرب وعجم میں ہر جگہ رائج ہے۔

البتہ تحقیقی متون کی ایک اور تقسیم بھی بعض مصنفین کے ہاں رائج ہے۔ یہ تقسیم بھی

عرب وعجم دونوں میں معلوم اور رائج ہے۔اس تقسیم میں مقالہ یا کتاب کے متون کو ابواب اور فصول وغیرہ میں تقسیم نہیں کیا جاتا، بلکہ پورے متن کو پیروں (Paragraphs) میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ہر پیرے میں ایک موضوع یا کسی ایک موضوع یا ذیلی موضوع کا ایک پہلو بیان کیا جاتا ہے۔ایسے پیروں کی پہچان، شناخت اور نشان دہی کے لیے انھیں مسلسل نمبر عطا کیے جاتے ہیں، مثلاً امام زہرہ کی تصنیف ''العلاقات الدولیۃ فی الاسلام'' ایک سے 78 پیرا فکس میں تقسیم ہے۔انواعِ متن کی اس تقسیم میں حالیہ اضافہ یہ ہوا ہے کہ اب ہر پیراگراف کو نمبر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا ایک عنوان (Heading) بھی تحریر کیا جاتا ہے، تاکہ متعلقہ پیراگراف کی ''متن'' میں حتمی نشان دہی ہو اور اس تک رسائی بھی آسانی اور یقینی ممکن ہو۔

متن کی مروّج مقبول اور عام فہم تقسیم یوں ہوتی ہے کہ متون کو ابواب، ابواب کو فصول، فصول کو مواد (Articles)، مواد کو ذیلی موضوعات اور ذیلی موضوعات کو نکات (Points) اور نکات کو پیروں (Paragraphs) میں تقسیم کیا جاتا ہے، جب کہ پیرے جملوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔متون کے ان اجزاء کا حجم متعین نہیں کیا جاسکتا۔ایک باب 25 صفحات پر مشتمل بھی ہوسکتا ہے اور سو صفحات تک وسیع بھی۔ایک پیرا دس جملوں اور سو الفاظ پر بھی مشتمل ہوتا ہے اور تین سو الفاظ کا بھی احاطہ کرتا ہے۔یہ تمام اجزاء ایک بڑے موضوع سے شروع ہو کر چھوٹے سے چھوٹے موضوع یا بڑے موضوع کے چھوٹے سے چھوٹے پہلو کا احاطہ کرتے ہیں، اس لیے متن کے یہ سب اجزاء نہ صرف اپنی اپنی جگہ اہم ہوتے ہیں، بلکہ وہ سب متن کو تقسیم کر کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں ڈھالتے ہیں تاکہ انہیں سمجھنا آسان ہو، انہیں سہولت کے ساتھ استعمال کیا جاسکے اور قاری متن کے ان تمام حصوں کو کما حقہٗ سمجھ سکے۔

تحقیقی مقالہ کا متن ایک ایسی دستاویز ہوتا ہے جس میں نہ صرف زیر بحث موضوع کی سہل ترین انداز میں وضاحت کی جاتی ہے، بلکہ زیر بحث موضوع کے ایجابی یا سلبی (Positive or Negative) پہلوؤں پر دلائل، شواہد، براہین یا بینات پیش کیے جاتے ہیں۔ایسے متن کی بنیادی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کی زبان ٹکسالی، عام فہم، شستہ اور سلیس ہو، تاکہ قاری اس میں پیش کردہ دلائل کو کما حقہٗ سمجھ کر اس میں بیان کردہ موضوع کا محاکمہ کر کے زیر تحریر موضوع کے مثبت یا منفی پہلو کو اپنا سکے، کیونکہ ہر تحقیق اپنے موضوع کا مثبت پہلو

ثابت کرتی ہے یا منفی۔ اسی لیے تحقیق کے کام کا نتیجہ مثبت ہوتا ہے یا منفی۔ تاہم ایک کامیاب تحقیق یہ تقاضا کرتی ہے کہ محقق اپنے زیرِ بحث موضوع کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کا احاطہ کرے۔ دونوں کے بارے میں اپنے دلائل پوری وضاحت سے بیان کر کے نہ صرف وہ اپنی ترجیحی رائے (Prefered Opinion) ظاہر کرے، بلکہ وہ اپنی ترجیحی رائے کے حق میں دلائل اور وجوہِ ترجیح بھی واضح طور پر بیان کرے، تاکہ اس کا قاری اس کی رائے سے مکمل طور پر مستفید ہو سکے۔ نیز اس کی رائے کو میدان تحقیق میں رد یا قبول کیا جا سکے، جو تحقیق کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔

متن میں بیان کردہ حقائق نہ صرف معروضی انداز میں درست ہوں بلکہ وہ زمینی حقائق کے بھی عین مطابق ہوں، تاریخ کی کسوٹی پر پورے اترتے ہوں، انسانی عقل و شعور انہیں تسلیم کرتے ہوں اور ان حقائق کی بنیاد پر حاصل کردہ (Deductive) نتائج قابلِ عمل، انسان کے لیے مفید اور انسان کی اخلاقی قدروں کے عین مطابق ہوں۔ تاکہ یہ نتائجِ تحقیق معاشرے کے لیے مفید ہوں اور ان کی وجہ سے کوئی معاشرتی فساد پیدا نہ ہو اور یوں نہ ہی تحقیق کا دروازہ بند ہو، بلکہ تحقیق کو فروغ ملے۔

اس بدیہی حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ متن میں بیان کردہ نتائجِ تحقیق کبھی سوالِ تحقیق (Research Question) کا مثبت پہلو ثابت کرتے ہیں اور کبھی منفی۔ متن کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس بارے میں بالکل واضح ہو اور متن میں اس پہلو پر کوئی ابہام (Ambiguity) باقی نہ رہے۔ جب کہ محقق کا فرض یہ ہے کہ وہ سوالِ تحقیق کا مثبت پہلو اپنائے یا منفی، اس کے حق میں قوی، مستحکم اور قابلِ عمل دلائل پیش کرے، نیز وہ اپنی رائے کو عملی مثالوں سے بھی مزین کرے۔ یہ تمام امور ''متن'' کا حصہ بنتے ہیں۔

جیسا کہ بیان ہوا کہ ''متن'' کا مستحکم پہلو یہ ہے کہ اس میں زیرِ توجہ تحقیقی سوالات کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو پوری وضاحت کے ساتھ اجاگر کیا جائے، موضوع کے دونوں پہلوؤں کے مکمل دلائل من وعن بیان کیے جائیں۔ اسی طرح محقق کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ موضوع کے مثبت اور منفی پہلوؤں کے دلائل کا محاکمہ کرے، ان کا پوری غیر جانب داری سے جائزہ لے اور خالی الذہن ہو کر ان دلائل کا محاکمہ کرے۔ لہٰذا یہ امر واضح ہے کہ آراء کو جانچنے، دلائل کو پرکھنے

اوران کے بارے میں کوئی سلبی یا ایجابی فیصلہ دینے کو محاکمہ (Accountability) کہتے ہیں، جس کے متعین اصول وضوابط ہیں:

جب ایک ہی موضوع پر آراء میں تنازعہ (Clash) اور تضاد (Contradiction) پیدا ہو جائے تو ان آراء کا محاکمہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ کون سی رائے صائب (True) اور کون سی رائے غلط ہے۔ اس تقابلی جائزہ کو آراء کا محاکمہ کہتے ہیں، جس کے اپنے قواعد وضوابط اور وجوہِ ترجیح ہوتی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ یہ امور نہ صرف متن میں تحریر کیے جاتے ہیں، بلکہ یہی امور متن کی جان بھی ہوتے ہیں:

① زمانی لحاظ سے رائے کا قدیم یا جدید ہونا، ② رائے میں ناسخ ومنسوخ کے اجزاء کا ہونا، ③ مصادر ومراجع کی مضبوطی اور کمزوری (Authenticity And Weaknesses of Sources)، ④ تاریخی نکات کی روایت کی صورت میں راوی کا ثقہ یا ضعیف ہونا، ⑤ ان دلائل کا روایتی اور درایتی معیار، ⑥ سائنسی موضوعات پر تجربہ اور مشاہدہ کی قوت کا معیار، ⑦ رائے کو انسانی عقل کا تسلیم کرنا، ⑧ نتائج کا انسانوں کے لیے مضر یا مفید ہونا، ⑨ متعلقہ موضوع سے متعلق کون سی رائے مثبت یا منفی، زیادہ مناسب اور قابلِ قبول ہوگی، ⑩ قبول کردہ رائے کی انسانوں میں قبولیت، ⑪ مرجح قول کے موضوع تحقیق پر اثرات، ⑫ قبول کردہ رائے یا اختیار کردہ قول کے مستقبل میں اثرات وغیرہ۔

یہ چند وجوہِ ترجیح ہیں جو مختلف اقوال وآراء اور ان کے دلائل و براہین اور شواہد و بینات کا تفصیلی تجزیہ اور سنجیدہ تحصیل کرنے سے معلوم ہوسکتی ہیں۔ اس لیے متن کی خوبی اور کامیابی یہ ہے کہ متن نگار موجودہ آراء کا ان امور کی روشنی میں تجزیہ کرے اور تمام دلائل کی انصاف کے ساتھ پوری پوری تحلیل کر کے کسی ایک رائے کو ترجیح دے۔ نیز محقق پر لازم ہے کہ وہ اپنی اختیار کردہ رائے (View Point) کو مزید قطعیت، تقویت اور حتمیت عطا کرنے کے لیے متن کو مزید عقلی اور نقلی دلائل سے مزین کرے۔

ایک سوچی سمجھی رائے قائم کرنے اور مضبوط رائے کو اختیار کرنے کا ایک طویل عمل (Lengthy Proces) ہے اور اس عمل کے چند حقیقی اجزاء یہ ہیں اور ان میں سے ہر جز کی اپنی ضرورت، حقیقت اور افادیت ہوتی ہے، مثلاً ایک محقق یہ حقیقت ثابت کرنے کے لیے

اپنا متن مرتب کر رہا ہے کہ کلاشن کوف کی ایجاد انسان کے لیے مفید ہے یا مضر؟ کیا اس ہتھیار کو معاشرے میں عام ہونا چاہیے یا یہ اسلحہ صرف افواج اور قانون نافذ کرنے والے افراد اور سلامتی (Security) کا بندوبست کرنے والے اداروں تک محدود ہونا چاہیے یا یہ مہلک ہتھیار سرے سے انسانی معاشروں میں موجود ہی نہ ہو یا یہ اسلحہ صرف ضرورت مندوں کو میسر ہو اور بس۔ نیز اسے ہرگز ہرگز عام کھلے بندوں فروخت نہ کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ کلاشن کوف ایک جدید مہلک ہتھیار ہے، اس کا استعمال اگرچہ محدود ہے لیکن وہ بلاشبہ وسیع تر نقصان اور انسانی تباہی و بربادی کا ذریعہ بنتا ہے، کیونکہ اس ہتھیار کو یک بارگی چلانے سے کثیر مقدار میں اس سے مہلک مواد خارج ہو کر اپنے نشانہ پر پہنچ کر تباہی مچا دیتا اور زد میں آنے والی ہر چیز کو ہلاک، تہس نہس اور برباد کر دیتا ہے۔ اس لیے یہ ہتھیار بڑے پیمانے پر انسان کو تباہ کرنے والے ہتھیاروں (Weapons of Mass Destraction (WMD)) میں شمار ہوتا ہے۔ اس ہتھیار کے تباہ کن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو تحفظ (Safety) کی بھی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ جس انسان کے پاس کلاشن کوف ہوتی ہے، وہ نہ صرف اپنے تحفظ (Protection) کی جانب سے بالکل بےفکر اور مطمئن ہوتا ہے، بلکہ وہ اپنے دشمن اور حملہ آور کا بخوبی مقابلہ بھی کر سکتا ہے۔ اور یوں وہ بخوبی اپنا، اپنے ساتھیوں، اپنی قیمتی اشیاء، اپنے نظریہ اور اپنے مال و دولت اور اپنے وطن کا کامیابی سے دفاع کر سکتا ہے۔ نیز ایسے اسلحے سے لیس افراد نہ صرف دشمن کو للکار سکتے ہیں، بلکہ اپنے اسلحہ کو بخوبی استعمال کر کے وہ اپنے دشمن کو نہ صرف نیست و نابود کر سکتے ہیں، بلکہ وہ انسانی معاشرے کو بھی ہر طرح کے فتنہ و فساد (All Disturbencioned Every Destruction) سے کلی طور پر پاک اور محفوظ کر سکتے ہیں۔ یہ نتائج باہم متضاد ہیں، ایک طرف کلاشن کوف کا شمار بڑے پیمانے پر انسانیت کش ہتھیاروں میں ہوتا ہے، تو دوسری جانب یہی اسلحہ انسان کو اپنا دفاع کرنے کی قوت اور اپنے تحفظ کے مواقع فراہم کرتا ہے۔

اب یہ محقق کی ذمہ داری ہے کہ ان دونوں متضاد پہلوؤں میں سے وہ کس پہلو کو اپناتا اور ترجیح دیتا ہے۔ جس رائے کو وہ ترجیح دے کر قبول کرے گا، اسی کے حق میں وہ وجوہِ ترجیح

بیان کرے گا، اسی پہلو کے مفید اور بہتر ہونے کے بارے میں وہ مزید دلائل لائے گا اور واقعاتی شواہد سے اسی رائے کو مستحکم اور مزید مضبوط، نیز وہ مدلل بنا کر انسانوں کے سامنے پیش کر کے انہیں اپنی رائے کا قائل بنائے گا۔ یہ مثال اس امر کی عکاس ہے کہ اس کائنات کی بہت سی اشیاء کا یہی حال ہے کہ ان کے بارے میں مختلف انسان متضاد آراء کے حامل ہوتے ہیں۔ محقق کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ان آراء کا تجزیہ و تحلیل کر کے زیر بحث اشیاء کے مفادات ومفاسد (Merits and Demerits) بیان کر کے ان میں سے کسی ایک پہلو کی حمایت کرے اور اپنے اختیار کردہ نکتہ نظر کی افادیت اپنے متن میں بیان کرے۔

جب ہم کسی موضوع کا تحلیلی اور تنقیدی مطالعہ (Critical and Analytical) کرتے ہیں، تب ہم اس موضوع کے ما لہ و ما علیہ یعنی فوائد و نقصانات کا پوری طرح سے احاطہ کرتے ہیں، تو ہم انہیں پوری وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ اس موضوع کے مثبت اور منفی پہلوؤں سے کما حقہ متعارف کرانے کے بعد ہم ان میں سے کسی ایک پہلو کو اپناتے اور قبول کرتے ہیں جب کہ اسی موضوع کے دیگر پہلوؤں کو ہم مسترد کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ کلاشن کوف کے بارے میں ہم یہ رائے اختیار کرتے ہیں کہ ''یہ اسلحہ انسانی تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے'' تو ہم اس ہتھیار کے سلبی پہلوؤں کو ترک کر کے اس کے ایجابی (Positive) پہلو کو اپنا لیتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ ہماری تحقیق کا متن ایسے تمام دلائل، شواہد، براہین اور بینات کا حامل ہو، جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ کلاشن کوف بہت مفید ہتھیار ہے، جسے اعلیٰ پیمانہ پر تیار کر کے انسانوں کو فراہم کیا جائے تا کہ وہ اس ہتھیار کے استعمال سے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیں، معاشروں کو پرسکون بنا دیں، تا کہ نہ صرف انسانوں میں امن وسلامتی کا دور دورہ ہو بلکہ پر امن ماحول میں ہر طرح کی ترقی کا عمل جاری رہے۔

کسی بھی موضوع کا تفصیلی، تحلیلی اور تجزیاتی مطالعہ متن میں بیان کیا جاتا ہے، کیونکہ تحقیقی امور کو صرف متون (Texts) کے ذریعے ہی واضح اور بیان کیا جاتا ہے۔ عام ازیں وہ متن بیانیہ انداز میں پیش کیا جائے۔ یہ ضروری ہے کہ وہ متن اس مطالعہ کے تمام پہلوؤں، گوشوں اور اجزاء وارکان کا احاطہ کرے، نیز زیر بحث مسئلہ کا ہر ہر نکتہ واضح کرے، تمام دلائل و شواہد کا حامل ہو، اختیار کردہ نکتہ نظر (Accepted View Point) کی نشان دہی کرے،

مسترد آراء کے دلائل سے تردید کرے اور مختار رائے (Prepared Opinion) کو مضبوط سے مضبوط دلائل سے ثابت کرے۔ جب محقق اپنی تحقیقی کاوش مکمل کر لے تو وہ اپنی قبول کردہ آراء کو نتائج تحقیق (Out Come of Research) کے عنوان کے تحت متن کا حصہ بنائے۔

جب متن میں ''نتائجِ تحقیق'' بیان کیے جائیں، تو متن واضح اور سلیس زبان میں تحریر کیا جائے۔ اس عنوان کے تحت دلائل ہرگز نہ بیان کیے جائیں، بلکہ نتائجِ تحقیق ہی مربوط انداز میں بیان کیے جائیں، نیز اس امر کی بھی نشان دہی کی جائے کہ یہ نتائج اس امر کی طرف بھی رہنمائی کرتے ہیں کہ زیر بحث موضوع کے کون کون سے پہلو ابھی تک تشنہ، نامکمل اور مفید ہیں۔ جن پر مستقبل میں تحقیقی کاموں کی حوصلہ افزائی کی جائے، نیز نتائجِ بحث کو موضوع کی انسانوں کے لیے افادیت بھی واضح کی جائے تا کہ انسان اس سے استفادہ کر سکیں۔

متن نویسی کا ایک اہم پہلو ربط (Link of Integration) بھی ہوتا ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مقالہ کے تمام اجزاء باہم اس قدر مربوط ہوں کہ ان میں نہ صرف باہمی رشتہ اور تعلق قائم ہو، بلکہ قاری کو مطالعہ کے بعد پڑھا ہوا مقالہ ایک اکائی (Single Unit) کی طرح معلوم ہو اور اس کے تمام عناصر اسی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں جیسے موتی ہار میں پروئے ہوتے ہیں یا انسانی جسم کے تمام اعضاء باہم جڑے ہوئے اور متناسب انداز میں موجود ہیں۔ واضح رہے کہ تحقیقی مقالہ ابواب، فصول، مقاصد، ذیلی عنوانات، نکات اور پیروں میں تقسیم ہوتا ہے۔ یہ سب نیز تمام پیراگراف کے سارے جملے اور مقالہ کے اعضاء اور اجزاء قرار پاتے ہیں، اس لیے ان سب کے مابین ایک مضبوط ربط قائم ہونا لازم ہے۔

جب ہم تحقیقی مقالہ میں ربط (Integration) کا ذکر کرتے ہیں، تو ہم یہ بات کہہ رہے ہوتے ہیں کہ مقالہ کے اجزاء کا ایک دوسرے سے ایسا تعلق (link) استوار ہو کہ نہ ان اجزاء میں سے کسی کو ختم کیا جا سکے، نہ کسی دوسرے مقام پر منتقل کیا جا سکے اور نہ ہی کسی جز و کو بلا مقصد اور بھرتی قرار دیا جا سکے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ کو چار سے چھ ابواب میں تقسیم کیا جائے، ہر باب چار سے آٹھ فصول پر مشتمل ہو، ہر فصل کو مضامین یا پیراگرافس کے لحاظ سے مقاصد، مضامین یا ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا جا سکے۔

ایک عمدہ اور مثالی متن کی خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ مقالہ کے ان تمام اجزاء میں

باہمی رشتہ قائم ہو، جس کا مقصد یہ ہے کہ متنِ مقالہ میں اختیار کردہ مقررہ موضوع کے تمام پہلوؤں کا اس طرح احاطہ کیا جائے کہ مقالہ جامع مانع قرار پائے۔ نہ مقالہ سے کچھ خارج کیا جا سکے اور نہ ہی اس میں کسی نئے نکتہ کو داخل کیا جا سکے۔ اس ساری جدو جہد سے مطلوب یہ ہے کہ مقالہ کا متن اس قدر فکس اور باہم مربوط ہو کہ وہ اپنی ذات میں مکمل ہو۔ نیز اس کے مندرجات کو براہِ راست خود بخود سمجھا جا سکے۔

متن میں ربط قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے موضوع کی تحدید (Limitation) کی جائے۔ مقررہ موضوع کے حدود و قیود طے کرنے کے بعد اس کے مختلف اماکن وعناصر حیطۂ تحریر میں لائے جائیں، بعد ازاں ان عناصر کو ترتیب وار ضبط کر کے کاغذ پر لکھا جائے۔ نیز اس کاغذی تقسیم کو بار بار پڑھا جائے تو ربط قدرتی طور پر خود بخود واضح ہو جائے گا۔ کیونکہ صحت مند انسانی ذہن وفکر بذاتِ خود قدرتی طور پر مربوط اور منظّم ہوتا ہے اور اسی لیے وہ باہم مربوط امور کو ہی قبول کرتا ہے۔ یہ امر بھی سب انسانوں پر عیاں ہے کہ مربوط تحریریں انسانی فکر پر ان مٹ نقوش مرتسم (Imprint) کرتی ہیں، جب کہ غیر مربوط متن کو انسانی شعور وعقل قبول ہی نہیں کرتی، لہٰذا واضح ہوا کہ مربوط متن ہی انسانی دانش کو اپیل کرتا ہے۔

مربوط متن میں موضوع کی تعریف وتحدید ابتداء میں ہی بیان کی جاتی ہے، بعد ازاں اس کی وسعت اور تاریخی ارتقاء بیان کر کے اس موضوع کی موجودہ صورت حال واضح کی جاتی ہے، بعد ازاں اس موضوع کے مفید یا مضر پہلوؤں کا تجزیہ کر کے نتائجِ بحث ثبت کیے جاتے ہیں، اس لیے موضوع کی تعریف وتحدید مقالہ کے آغاز میں بیان کی جائے، تاریخی ارتقاء درمیان میں، تحلیل وتجزیہ اس کے بعد آخر میں بیان کر کے نتائجِ تحقیق متن کے آخر میں شامل کیے جائیں گے۔ اس ترتیب سے مرتب شدہ متن مربوط بھی ہو گا اور مدلل بھی۔ اگر کسی بھی وجہ سے مقالہ میں یہ ترتیب ملحوظ نہ رکھی جائے تو نہ صرف مقالہ غیر مربوط قرار پائے گا بلکہ اس کا موضوع بھی تشنہ رہے گا اور نتائجِ تحقیق بھی بے ربط اور غیر منطقی قرار پائیں گے۔ یہ صورت حال متن اور تحقیق دونوں کی ناکامی کا سبب بنیں گے۔

متن کے لیے ضروری ہے کہ وہ مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ متناسب بھی ہو۔ متن کے متناسب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ابواب، فصول میں منطقی ترتیب (Logical Siquance) کے ساتھ مرتب ہو نیز ہر باب اور ہر ہر فصل ایک متناسب حجم میں تقسیم ہو۔ یہ درست ہو کہ

بعض ابواب اور فصول چھوٹے بڑے ہو سکتے ہیں لیکن ان میں حجم کا تناسب اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ ایک باب چالیس صفحات پر مشتمل ہو تو دوسرا باب ساٹھ صفحات رکھتا ہو، اسی طرح ایک فصل دس صفحات پر محیط ہے تو دوسری فصل پندرہ صفحات پر مشتمل ہو۔ اگر اس طرح حجم نہ اپنایا جائے تو متن غیر متناسب قرار پائے گا اور متن کی عمدگی متاثر ہو گی۔

جن متون میں ابواب اور فصول کی تقسیم نہیں ہوتی، بلکہ ان میں پیراگرافس پر انحصار کیا جاتا ہے، ایسے متون میں بھی ربط اور تناسب کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ مربوط اور متناسب متن ہی تحقیقی نتائج مؤثر انداز میں فراہم کرتا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ایسے متون میں بعض پیراگرافس بہت چھوٹے اور بعض انتہائی طویل ہوتے ہیں۔ یہ اسلوب نہ صرف متون کی خوبصورتی کو خراب کرتا ہے بلکہ ایسا متن انسانی فکر کو بھی منتشر کر دیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ متن میں منطقی ربط قائم ہو اور تمام پیراگرافس متناسب ہوں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بعض افکار اپنے بیان اور اپنی وضاحت کے لیے طویل عبارات اور لمبے بیان (Statement) کے متقاضی ہوتے ہیں، اس لیے بعض اوقات ایسے پیراگرافس طویل ہو جاتے ہیں۔ انہیں مختصر نہ کیا جا سکتا ہو، تو متن کا تناسب قائم رکھنے کے لیے ایسے پیراگرافس کو ذیلی پیروں میں تقسیم کر دیا جائے، جیسے کسی ایک ضخیم اور طویل موضوع کو ذیلی عنوانات اور ذیلی موضوعات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض مصنفین اپنی تصانیف کے بنیادی پیراگرافس کو ذیلی پیراگرافس میں تقسیم کر دیتے ہیں اور ہر ذیلی پیراگراف میں وہ ایک ہی نکتہ بیان کرتے ہیں، تاہم ایسا کرتے وقت وہ ذیلی پیروں کو نمبر مہیا نہیں کرتے ہیں۔

متن کا ایک اور پہلو ''اقتباس نویسی'' بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی تحقیقی کام حوالہ جات کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، اسی لیے ہر تحقیقی موضوع پر کام کرتے وقت نہ صرف بہت سی کتب و جرائد اور منتشر مواد کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے بلکہ ان کا مقالہ میں جا بجا حوالہ بھی دینا پڑتا ہے، اسی لیے بنیادی علوم ہوں یا سماجی و دینی علوم ہوں، سبھی کی تحقیق اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ مقالہ میں اصلی مصادر و مراجع سے استفادہ کیا جائے۔ مصادر سے بھرپور استفادہ کرنے کا بنیادی اور مقبول طریقہ یہ ہے کہ حوالہ جاتی کتب و جرائد میں سے مطلوبہ عبارات مقالہ میں من وعن نقل کی جائیں۔ یہی عمل ''اقتباس نویسی'' کے نام سے معروف ہے، جس کے اپنے اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔

''اقتباس نویسی'' کا بڑا نکتہ یہ ہے کہ محولہ مصدر کی عبارات مصادر سے من وعن، بلا کم وکاست نقل کی جائیں، چاہے وہ عبارات درست ہوں یا غلط، وہ کسی تبدیلی یا حک واضافہ کے بغیر ہی نقل کی جاتی ہیں۔ متن میں ''اقتباس نویسی'' کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف بین القوسین (With in Brackets) یا نکتوں کے درمیان تحریر کی جائیں اور اقتباس تحریر کرتے وقت کاغذ یا صفحہ کی دونوں جانب ایک سے دو انچ تک حاشیہ (Margion) چھوڑا جائے اور اقتباس کے اختتام پر حسبِ ضابطہ حوالہ تحریر کیا جائے۔

''اقتباس نگاری'' کے لیے ضروری ہے کہ محولہ مصدر (Referred Source) سے صرف ایسے ہی الفاظ، کلمات، اجزائے جملہ یا فقرے نقل کیے جائیں، جن کی حقیقی ضرورت ہو اور وہ عبارات مقالہ کی مثبت یا منفی رائے کی تائید یا تردید کرتی ہوں، نیز وہ عبارات کسی نظریہ یا رائے کی تائید کرتی ہوں، مزید برآں اقتباس بنیادی اور اصلی مصادر سے ہی کشید کیا جاتا اور متن کی زینت بنایا جاتا ہے۔

متن چونکہ تحریری طور پر مرتب کیا جاتا ہے اور یہ تحریر ہی مقالہ نگار کی آراء، نظریات، افکار اور معلومات کی نمائندگی کرتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی زبان میں تحریر ہو جو مقررہ افراد، محدود علاقوں اور مخصوص طبقوں میں مروّج ہو۔ عام طور پر بآسانی سمجھی جاسکے اور مقالہ نگار کی تعبیرات وتشریحات کو سہولت سے قاری تک پہنچاتی ہو۔

تحقیقی میدان میں کام کرنے والے اصحابِ فکر ودانش اس امر کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں کہ متن کی زبان نہ صرف آسان، شستہ، رواں، سلیس اور عام فہم ہو، بلکہ اس میں لکھے جانے والے غیر مانوس مواد جدید الفاظ، فنی اصطلاحات، دوسری زبانوں کے اجنبی الفاظ، نیز مشکل کلمات کی تعبیر وتشریح کرتی ہو۔ اسی طرح دیگر زبانوں سے منقول عبارات اور اقتباسات کا مقالہ کی اپنی زبان میں ترجمہ کیا جائے، تاکہ قاری اس مقالہ سے کما حقہ مستفید ہوسکے۔

چونکہ مقالات کی زبان کو خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مقالہ نگار اور نگران مقالہ نیز متعلقہ شعبہ اس امر کا خصوصی اہتمام کرے کہ متن کی زبان ٹکسالی، نیز زبان کے اسلوب اور محاورے کے عین مطابق ہو۔ متن کی ضرورت پوری کرنے کے لیے صحتِ زبان کا خاص اہتمام کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ تحقیقی ادارے اور نامور جامعات اس امر کا انتظام کرتے ہیں کہ تحقیق کاروں کو ایسے ماہر لسانیات کی خدمات حاصل ہوں،

جو مقالہ کے متن کی لسانی کمزوریوں کو دور کر کے متن کو سہل اور قابلِ فہم بنا دیں، تا کہ مقالہ کے متن سے قاری پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔

متن کی زبان کے حوالہ سے یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہر موضوع اور ہر مضمون کی اپنی اپنی اصطلاحات، محاورہ، ذخیرۂ الفاظ، روزمرہ اور اسلوبِ نگارش ہوتا ہے۔ضروری ہے کہ متن میں ان تمام امور کا خیال رکھا جائے اور متن میں ان سب امور کو بخوبی سمویا جائے۔ اگر متن میں متعلقہ مضمون کی اصطلاحات اور منہجِ بیان کی پیروی نہ کی جائے تو نہ صرف مقالہ کو ناقص قرار دیا جائے گا بلکہ غیر مانوس اسلوبِ متن کی وجہ سے مقالہ کی نادر آراء سے بھی استفادہ ممکن نہیں ہوگا۔

اس حقیقت سے سبھی اہلِ علم آگاہ ہیں کہ زبان کی ترقی، اس کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ، اس کے محاورے اور روزمرے میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، بلکہ بسا اوقات جملوں کی ساخت، فقروں کی ہیئت اور الفاظ کی شکل وصورت بھی بالکل تغیر پذیر ہوتی رہتی ہے۔ممکن ہے کہ متن نگاری کا پچاس سالہ پرانا اسلوب آج سمجھا نہ جائے۔اسی طرح آج کا لسانی اسلوب بیس سال بعد تبدیل ہو جائے گا۔اس لیے ضروری ہے کہ ٹکسالی اور مروّج زبان میں متن تحریر کیا جائے، تاکہ متن کی فعالیت تادیر قائم رہے۔

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے تحقیقی مقالہ جات کی متن نگاری کے حوالے سے چند امور کا ابتدائی جائزہ پیش کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کی، ابھی تک معاصر ماہرین تحقیق کے میکانکی پہلوؤں پر زور دیتے رہے ہیں۔اب وقت آ گیا ہے کہ اہل علم تحقیق کے اصلی اور حقیقی مسائل کا مطالعہ کریں، اس میں درپیش مشکلات کا حل پیش کریں اور اصل تحقیق کے متن کو زیادہ سے زیادہ پرکشش، عام فہم اور دلچسپ بنائیں، تا کہ قاری موضوع کی ندرت کے ساتھ ساتھ متن کی لسانی خوبیوں سے بھی بہرہ ور ہوتا رہے۔ یہ ایک ابتدائی کوشش ہے، تاہم اس موضوع پر مزید قواعد اور ضوابط بنانے اور انہیں لاگو کرنے کی طرف توجہ دی جائے۔ یہ ابتدائی تحریر ایک تجویز کی شکل رکھتی ہے، جس کے ہر نکتہ پر اصلاح کی گنجائش اور ضرورت ہے، اس لیے اہل علم وتحقیق سے بجا طور پر یہ امید کی جاتی ہے کہ اس موضوع کو بہتر بنانے کے لیے وہ اپنی قیمتی آراء اور مشوروں سے نوازتے رہیں گے۔

تبصرۂ کتب

﴿تبصرہ کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں﴾

اربعینِ حافظ منظوم

سرکارِ ابدقرار ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

''جو شخص میری امت کے نفع کی خاطر امورِ دین میں سے چالیس احادیث محفوظ کرے، تو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اسے فقہاء میں سے اٹھائے گا اور قیامت کے دن میں اس کی (خصوصی) شفاعت کرنے والا اور (اس کے ایمان کا) گواہ ہوں گا''---

[مشکوٰۃ، کتاب العلم، حدیث 258]

اس فضیلت کے پیشِ نظر ہر دور کے محدثین، علماء و اصفیاء ''اربعین'' کے نام سے احادیث کے مجموعے مرتب کرتے رہے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی اربعینیات کے اسی زرّیں سلسلہ کی حسین کڑی ہے۔ اس کے ناظم و شاعر حافظ عبد الغفار حافظ حفظہ اللہ (ولادت ۱۹۴۸ء) سکہ بند شاعر اور صاحبِ سوز و گداز ہیں۔ ارمغانِ حافظ، گہوارۂ بخشش، بہشت تضامین اور ان کے کئی دیگر شعری مجموعے اربابِ علم وفضل سے دادِ تحسین پا چکے ہیں۔

پیشِ نظر مجموعہ میں آپ نے چالیس احادیث مبارکہ کا منثور و منظوم ترجمہ کیا ہے، جو ان کی قادر الکلامی اور زبان و بیان پر قدرت و مہارتِ تامہ کا آئینہ دار ہے۔ حافظ صاحب کی یہ علمی کاوش لائقِ صد تحسین اور قابلِ تقلید ہے۔ کتاب حسنِ صوری و معنوی سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ اعلیٰ کاغذ، عمدہ طباعت، صفحات 64، ہدیہ 100 روپے، ناشر: بزم ارتقائے ادب، 125/16، سیکٹر 5-E، نیو کراچی

درس روحانیت

پیرِ طریقت خواجہ اظہار الحق مسعود شاہ کا تعلق ایک روحانی خانوادے کے ساتھ ہے، وہ ایک ادیب، سکالر، صحافی، مبلغ اور ماہ نامہ الملنگیہ کے مدیر، صاحبِ علم و قلم ہیں۔ ماہانہ مجلّہ کے ساتھ ساتھ وہ اپنے وابستگان کی مواعظ و ملفوظات کے ذریعے بھی تربیت کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے 2011ء میں درسِ روحانیت کا سلسلہ شروع کیا تھا، جس کا خلاصہ ان کے رسالہ الملنگیہ میں شائع ہوتا رہا، جسے علی عباس چشتی صاحب نے نہایت قرینے سے مرتب کر دیا ہے۔ 102 علمی مجالس کا یہ مجموعہ رہ نوردانِ شوق کے لیے خضرِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کے اس پرفتن دور میں اطمینان و سکون کی دولت اہل اللہ کی تعلیمات اور ان کی سیرت پر عمل پیرا ہونے سے میسر آسکتی ہے۔ 272 صفحات پر مشتمل اس خوب صورت کتاب کا ہدیہ ایک ہزار روپے ہے، پتا: آستانہ عالیہ چشتیہ نظامیہ ملنگیہ، محلّہ علی پور، ایچ بلاک، اوکاڑا، 0300-4911141

اسلامی مہینوں کے فضائل

تبلیغِ دین اور قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے عالمی تنظیم دعوتِ اسلامی قابلِ قدر خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ اس کا نیٹ ورک کئی براعظموں میں پھیلا ہوا ہے۔ امیر اہل سنت حضرت مولانا محمد الیاس قادری حفظہ اللہ کی سرپرستی میں دعوتِ اسلامی کا ایک نہایت اہمیت کا حامل شعبہ ادارۂ تصنیف و تالیف و تراجم و تحقیق ''المدینۃ العلمیۃ'' گزشتہ اکیس سال سے سرگرم عمل ہے اور اب تک اعلیٰ طباعتی معیار پر سیکڑوں انتہائی مفید کتابیں شائع کر چکا ہے۔

علامہ محمد عدنان چشتی مدنی کی مرتبہ، زیرتبصرہ مستند کتاب ''اسلامی مہینوں کے فضائل'' 150 سے زائد کتب و رسائل سے ماخوذ 12 ماہ کے فضائل و معمولات، عبادات اور اوراد و وظائف پر مشتمل ہے اور ہر اسلامی مہینے کے ایام اہل بیت عظام و صحابہ کرام اور اعراس بزرگان دین (تاریخ وفات اور جائے مدفن) کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مختصر عرصہ میں اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ کتاب بڑی عرق ریزی سے مرتب کی گئی ہے اور اس میں خاصی مفید معلومات مہیا کی گئی ہیں۔ اسلامی مہینوں کے ساتھ ساتھ ہفتہ بھر کے ایام کے فضائل اور ان میں بزرگان دین سے منقول اوراد و وظائف درج کر دیے گئے ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ کتاب ہر مسلمان، خصوصاً طلباء و خطباء کے لیے مفید ہے۔ صفحات 337، طباعت و کاغذ اعلیٰ، قیمت درج نہیں ہے۔

پتا: مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوت اسلامی) فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگراں، پرانی سبزی منڈی، کراچی

سنی علماء دیاں پنجابی تقریراں

مولانا الحاج محمد جعفر ضیاء القادری حفظہ اللہ، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے فاضل، بہترین خطیب اور صاحبِ علم و عمل محنتی انسان ہیں۔ وہ تبلیغ دین کے لیے مختلف موضوعات پر نظم و نثر میں کتابیں مرتب کرتے رہتے ہیں، جن سے عقائد کو جلا، دینی شعور میں پختگی، حلاوتِ ایمانی اور عقیدت و محبت میں چاشنی نصیب ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں وہ ''سنی علماء کی اردو تقریریں'' (چھ حصے)، فضائل درود و سلام، انوارِ لیلۃ القدر، انوارِ شب براءت، درود و سلام اور انگوٹھے چومنا، بعد نماز ذکر اور کئی منظوم کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ زیرتبصرہ دوسرے اور تیسرے حصے میں شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزاروی، شہبازِ خطابت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ، شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی، خطیبِ پاکستان علامہ محمد شریف نوری، سلطان الواعظین مولانا محمد بشیر، علامہ ابوداؤد محمد صادق رضوی، مولانا عطاء المصطفیٰ جمیل، مولانا ابوبکر چشتی، مولانا قاضی منظور احمد چشتی، مرتب کتاب علامہ محمد جعفر ضیاء القادری، صاحبزادہ افتخار الحسن وغیرہ علماء و خطباء کی پنجابی تقریریں شامل ہیں۔ عوام، خصوصاً طلباء، علماء اور واعظین کے لیے ان کا مطالعہ مفید ہے۔ ہر جلد 560 صفحات کی ہے، جس میں بارہ بارہ تقریریں شامل ہیں، ہدیہ فی جلد 700 روپے، پتا: مکتبہ غوثیہ رضویہ، محمود شہید روڈ، شاہدرہ، لاہور

رسول کریم ﷺ کی گھریلو زندگی

سرکار ابد قرار ﷺ کی سیرتِ طیبہ انسانیت کے لیے عمدہ نمونہ، فلاحِ دارین اور فوزِ مبین کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس میں زندگی کے ہر مرحلے اور ہر شعبے کے لیے کامل رہنمائی ملتی ہے۔ دیگر شعبہ جات کی طرح آپ کی عائلی اور گھریلو زندگی بھی مثالی ہے۔ آج کے اس پرفتن دور میں جب کہ تعلیماتِ نبوی سے بے خبری کی وجہ سے گھروں کی فضا میں ناچاکی، بے سکونی اور بے برکتی عام ہے، ایک ایمان دار کے لیے

ضروری ہے کہ وہ اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کا بھی بطورِ خاص مطالعہ کرے اور اپنی عائلی زندگی کو اتباعِ نبوی کے سانچے میں ڈھالے۔ اہلِ سنت کے صاحب علم عالم دین، ممتاز مذہبی سکالر علامہ سید فیض عباس قمر نے بڑے جامع انداز میں رسول کریم ﷺ کی گھریلو زندگی کو بیان کیا ہے اور اس کی روشنی میں بہت سے اہم مسائل و معاملات کو اجاگر کیا ہے۔ عامۃ المسلمین کے لیے اس کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ صفحات 128، ہدیہ 250 روپے، ناشر: المنیر اکیڈمی، ٹھٹھہ صادق آباد، تحصیل جہانیاں، ضلع خانیوال، 0301-7587074

بحرِ بیکراں سے چند قطرے

زیرِ نظر کتاب کے مرتب مہر ڈاکٹر محمد اشرف ضیاء علم دوست، دینی ذوق سے معمور اور دینی خدمت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ وہ مختلف کتابوں، جرائد و اخبارات کے مطالعہ کے دوران عقائد، عبادات، معاملات، سیرتِ طیبہ، صحابہ کرام کی روایات، اولیاء اللہ کے اقوال اور پند و نصائح سے متعلق مفید معلومات کو جمع کرتے رہے، یہ کتاب ان کے مطالعے کا نچوڑ ہے۔ کتاب کی زبان سہل اور عام فہم ہے۔ مرتب کتاب کے مطابق اس اشاعت سے ان کی غرض یہ ہے کہ مسلمان اپنی آخرت سنوارنے کی جدوجہد کریں، قرآن و سنت کے احکام کے تحت زندگی گزاریں اور فلاح و فوز سے سرفراز ہوں۔ موصوف مزید لکھتے ہیں:

''معطر و سدا بہار گل ہائے سب رنگ کے اس گلدستہ میں تمام پھول دوسروں کے ہیں،
صرف دھاگہ جس نے یکجا کیا، میرا ہے''---

آخر میں 55 کتب پر مشتمل مآخذ و مراجع کی فہرست ہے، جن میں ماہنامہ نور الحبیب بھی شامل ہے۔
اعلیٰ ترین کاغذ، عمدہ طباعت، صفحات 304، ہدیہ 600 روپے
پتا: رحمت ضیاء ہاؤس، D-382، ہاؤسنگ کالونی، جڑانوالا ضلع فیصل آباد، 0301-7276981

❋❋❋❋❋

وفیات

گزشتہ دنوں:

● ...... فاضل دار العلوم مولانا ہاشم علی جامی، چک نمبر 275/E.B (وہاڑی) ہارٹ اٹیک سے ● ...... حضرت مولانا عبد العلی نوری رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ اور مولانا مسعود احمد چشتی (حویلی لکھا) کی والدہ ماجدہ ● ...... مولانا محمد جمیل نوری (نئی آبادی، راجووال) کا بھتیجا ٹریفک حادثہ میں ● ...... مولانا نور الحق نوری (چوپالیہ، بہاول نگر) کی اہلیہ محترمہ ● ...... حافظ منظور احمد نوری اور حاجی اللہ دتہ ٹیچر (آبادی پیرکوٹ، بصیر پور) کے والد محترم اور محمد اشرف نوری (گیلانی چوک، بصیر پور) کے تایا جان ● ...... مولانا مفتی محمد امین صابر القادری (سلطان کے، لاہور) کی بھانجی اور ● ...... چودھری محمد عاشق نوری (چک نمبر 15/S.P، پاکپتن شریف) کی بھابھی محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محبّ اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

✧✧✧✧✧

ہماری زبان، ہماری پہچان

مولانا عبدالمتین

اللہ ربّ العزت نے انسانی جسم میں اعضاء کی بناوٹ اور درستگی کے حوالے سے قرآن کریم میں تسویہ کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَo---[الانفطار:۷]

''جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعضاء کو درست اور برابر کیا''---

یعنی انسانی اعضاء ایک اندازے اور اٹکل کے طور پر نہیں، بلکہ ہر عضو اپنی جگہ بھرپور افادیت کے ساتھ جڑا ہوا ہے اور اس عضو کا انسانی جسم میں اسی خاص مقام میں ہونا ہی انسان کے لیے مفید اور بہتر ہے۔ انہی اعضاء میں ایک بہت بڑی نعمت زبان ہے، جو انسانی کردار کی لفظی ترجمانی کرتی ہے۔

قرآن کریم میں عَلَّمَہُ الْبَیَانَo[الرحمٰن:۴] کہہ کر اس نعمت کا بطور خاص ذکر فرمایا کہ رحمٰن وہ ذات ہے جس نے انسان کو قوتِ بیان اور قوتِ گویائی عطا کی۔ انسانی ذہن جو سوچتا ہے اس کا اظہار سیکنڈ سے بھی کم درجے میں زبان پر الفاظ کی شکل میں آجاتا ہے۔ اللہ ربّ العزت نے

انسان کو مختلف نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہے، لیکن ایک اصول بھی وضع فرما دیا:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ o---[التکاثر:۸]

''پھر تم سے اس دن (میدانِ محشر میں) نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا''---

یعنی ایسا نہیں کہ یہ نعمت مفت میں بن مانگے ملی، تو احسان فراموش بن کر جیسے چاہا، اس کا استعمال کر لیا، بلکہ انسان سے اس بات کا بھرپور تقاضا ہے کہ وہ اس نعمت پر عملی شکر کا مظاہرہ کرے۔ اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ اس نعمت کا جیسا استعمال کرنے کا حق ہے، ویسا استعمال کرے۔

اسی لیے زبان جیسی عظیم نعمت دے کر اس کے تقاضے بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ زبان کے ساتھ انسان کے فقط الفاظ کا تعلق نہیں بلکہ یہ انسانی کردار کی آئینہ دار ہے اور بہت سے نیک و بد اعمال کا بھرپور تعلق اس زبان کے استعمال سے ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احیاء العلوم'' میں تقریباً بیس بڑے گناہوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کا تعلق زبان سے ہے۔ مثلاً جھوٹ، گالی، غیبت، طعنہ زنی، تمسخر، چغلی، عیب جوئی، ناشکری، بدگوئی، لعنت، ملامت، فضول گوئی، شرک، کثرت کلامی، بہتان، تکبر وغیرہ جیسی تمام روحانی بیماریوں کا زبان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں الفاظ کی پہرہ داری کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ o---[قٓ:۱۸]

''انسان اپنی زبان سے جو بھی الفاظ نکالتا ہے، ان الفاظ کو ایک حاضر باش فرشتہ نوٹ کر لیتا ہے''---

سورۃ الانفطار میں فرمایا:

وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ o كِرَامًا كَاتِبِیْنَ o---[الانفطار:۱۰-۱۱]

''تم پر اعمال کو محفوظ کرنے والے معزز فرشتے مقرر ہیں''---

اس پہرہ داری کا مقصد یہ ہے کہ احتیاط سے بولو، کیوں کہ انسانی الفاظ ہوا میں اڑ کر ضائع نہیں ہو رہے، بلکہ تمہارے منہ سے نکلنے والے تمام الفاظ نوٹ کیے جا رہے ہیں۔ انسان گرفت میں آنے سے ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر گفتگو کے دوران

کسی کے سامنے voice recorder رکھا جائے، تو چرب زبان انسان بھی اپنے الفاظ کو تول کر اور بنا سنوار کر منہ سے نکالتا ہے۔ اسی لیے اللہ ربّ العزت نے ''حافظین'' کا ذکر فرما کر سمجھا دیا کہ اگر چہ تمہارے سامنے کوئی ریکارڈر نہیں، لیکن اس سے کئی گنا بڑھ کر چاق چوبند فرشتے اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔

انسان جب صبح سویرے اٹھتا ہے، تو اعضائے انسانی ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں۔ تمام انسانی اعضاء زبان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَاِنَّ اَعْضَاءَہٗ تُکَفِّرُ اللِّسَانَ ؛ تَقُوْلُ : اتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا ؛ فَاِنَّكَ اِنِ اسْتَقَمْتَ استَقَمْنَا وَ اِن اعوججت اُعْوَجَجنَا---[مسند احمد]

''اے زبان! تم اکیلی ایک الگ حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ ہم بھی تمہارے ساتھ ساتھ ہیں، لہٰذا جب تک تمہارا استعمال درست ہوتا رہے گا، تب تک ہم بھی اپنا کام ٹھیک سے کرتے رہیں گے، لیکن اگر تم میں ٹیڑھ پن آ گیا تو یہ کمی ہمیں بھی تمہارے ساتھ لے ڈوبے گی''---

اسی طرح قرآن مجید میں فرمایا گیا:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ ---[النور:۲۴]

''جس دن ان کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں''---

قیامت کے دن زبان بھی انسان کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گی اور بتائے گی کہ اس شخص نے میرا کیسے استعمال کیا۔ ایک روایت کے مطابق رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ يَّضْمَنْ لِّيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَّهُ الْجَنَّةَ---[صحیح البخاری]

''جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ اپنی زبان اور شرم گاہ کا غلط استعمال نہیں کرے گا، تو میں ایسے شخص کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں''---

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے معاذ! اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔ حضرت معاذ سوال کرتے ہیں: یا رسول اللہ! کیا زبان کی وجہ سے بھی ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

تمہاری ماں تمھیں گم کرے، بہت سے لوگ اس زبان کی وجہ سے جہنم میں اوندھے منہ پڑے ہوں گے''---[سنن الترمذی]

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مسلمان کی تعریف بھی زبان و اعضاء سے تکلیف نہ پہنچانے والے کے عنوان سے فرمائی:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ---[صحیح البخاری]

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے''---

رسول اللہ ﷺ ذاتی معمولات میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ کس قدر احتیاط پر عمل پیرا تھے، اس کی ایک جھلک اس روایت میں ملتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَدَمْتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ عشْرَ سِنینَ فمَا قَالَ لِیْ : اُفٍّ قطُّ وَ مَا قَالَ لِیْ لِشَیْءٍ صَنعْتُه : لِمَ صَنعتَه ؟ و لَا لِشَیْءٍ ترَکْتُه : لِمَ ترَکْتَه؟---

[صحیح البخاری]

''مَیں نے رسول اکرم ﷺ کی دس سال خدمت کی لیکن اس طویل عرصے میں آپ ﷺ نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا اور مَیں نے جو کام کرلیا اس کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا، اس کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہا کہ کیوں نہیں کیا''---

مشہور تابعی حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ زبان کی اہمیت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ:

''میری زبان ایک درندے کی طرح ہے، جس کو مَیں نے روکا ہوا ہے، اگر مَیں اس درندے کو چھوڑ دوں، تو یہ مجھ پر ہی حملہ آور ہو جائے گا''---

یعنی زبان کی درندگی کا شکار خود صاحبِ زبان بن جاتا ہے۔ ذیل میں ہم کچھ ایسے مختصر نکات ذکر کرتے ہیں جو زبان کے استعمال میں ملحوظ رہنے چاہئیں:

❶ بامقصد گفتگو

جس گفتگو کا کوئی مقصد ہی نہ ہو، بلکہ وہ بے ہنگم، وقت گزاری اور بغیر دھیان کے کی جارہی ہے، ایسی گفتگو اور ایسی مجالس سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے۔

بعض اوقات انسان اپنی طبیعت میں بشاشت اور تازگی کے لیے گپ شپ اور باہمی اُلفت و مزاح کی مجالس قائم کرتا ہے، ان کی مناہی نہیں، کیوں کہ ایسی مجالس انسان کے بدن و ذہن کو تازگی بخشنے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

❷ سیدھی بات

قرآن کریم میں اللہ ربّ العزت ارشاد فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًاo---[الاحزاب:۷۱]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کیا کرو''---

بات میں ٹیڑھ پن، طنز، طعنہ اور کئی ایک مطالب کا اندیشہ نہ ہو۔ کسی کو کہہ کر کسی کو سنانا، جملے کسنا، سوال کچھ جواب کچھ، ٹال مٹول اور لمبی مگر بے معنی گفتگو، یہ سب گفتگو کے غلط طریقے ہیں۔ اسی لیے فرمایا، ایسی سیدھی بات کرو جس میں مقصدیت، جامعیت اور بھرپور معنویت پائی جائے۔

❸ گفتگو میں حسن اور نرمی

اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا---[البقرۃ:۸۳]

''لوگوں سے اچھی بات کرو''---

اور نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَۃٌ---[صحیح البخاری]

''اچھی بات کا منہ سے نکالنا بھی صدقہ ہے''---

یعنی جب انسان بولے تو اچھا بولے، اپنے منہ سے گند نہ انڈیلے، بلکہ اس کی گفتگو سے لوگوں کی طبیعت خوش ہو جائے اور مخاطب کا دل چاہے کہ یہ مزید بولے۔

ہر بات کو کہنے کے اچھے اور برے دونوں طریقے ہوتے ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ ''آپ کا فون ٹھیک کام نہیں کر رہا'' اور کوئی کہے کہ ''آپ کا فون کم تر معیار کا ہے''۔ دونوں جملوں کا معنی ایک ہے، لیکن اندازِ بیان مختلف۔ ایک جملہ بلند اخلاقی کا مظہر ہے اور دوسرا جملہ کم ظرفی کا۔ اسی طرح اللہ عزّوجلّ نے گفتگو میں نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا:

فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا---[طٰہٰ:۴۴]

''تم دونوں فرعون سے نرمی سے بات کرنا''---

وقت کے جابر اور ظالم حکمران فرعون کے پاس دو پیغمبر بھائی حضرات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو بھیجا جا رہا ہے، لیکن طرزِ گفتگو میں نرمی کی تلقین کی جا رہی ہے۔

❹ نفرت انگیز گفتگو سے اجتناب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

بَشِّرُوْا وَ لَا تُنَفِّرُوْا---[صحیح مسلم]

''لوگوں میں خوشیاں بانٹو، نفرتیں مت پھیلاؤ''---

ایسا نہ ہو کہ انسان جب بھی بولے تو مسائل کھڑے کرے، بلکہ ایسی گفتگو ہو کہ جس میں لوگوں کے لیے خیر کا پہلو غالب ہو۔

گفتگو میں نفرت، بغض، حسد اور کینے کی آگ نہ چھلکے، جس کی وجہ سے فرقہ واریت، پھوٹ اور توڑ جنم لے۔ ذرا تصور کریں کہ کتنا ہی کمال ہوگا اس گفتگو میں، جس میں علوم، فنون، قرآن و حدیث، سیرت، تہذیب، تاریخ، مزاح، ادب، شاعری، معلوماتِ عامہ یا عام و خاص مشاورت پر بات ہوتی ہو اور کسی بھی مسلمان بھائی کی ذات، گھریا فیملی موضوع نہ بنتی ہو۔

❺ مختصر اور پُر اثر گفتگو

جب گفتگو، مقصد اور ضرورت کے مطابق کی جائے گی تو وہ مختصر اور پُر اثر ہوگی، بایں طور کہ جب بات کا مدعا واضح ہو جائے تو اسے طول دینے کی ضرورت نہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ ---[صحیح البخاری]

''اللہ نے مجھے جامع کلمات ادا کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے''---

مثلاً ہمیں نیت اور عمل کا تعلق بتانے میں کم از کم پانچ منٹ چاہئیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ---

یوں بات آدھی سے کم سطر میں مکمل ہو جاتی ہے۔ زیادہ بولنا اور مسلسل بولنا کم عقل ہونے کی علامت ہے، جس سے اپنی شخصیت اور اوروں کا وقت ضائع ہوتا ہے۔

⑥ اچھا سننا ، اچھا بولنا

ہمارے معاشرے میں ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ ہم اچھی گفتگو اور اپنے مافی الضمیر کو بہتر انداز میں پیش کرنے کو باہمی گفتگو کا کمال سمجھتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق اچھی گفتگو کا راز فقط بولنے میں نہیں، بلکہ بھرپور توجہ کے ساتھ سننے میں بھی ہے۔ لہٰذا آداب میں شامل ہے کہ فقط بولتے رہنا اچھا نہیں بلکہ اپنے مخاطب کو بھی موقع دینا، جب تک سوال مکمل نہ ہو، سنتے جانا، بات کو بیچ سے نہ کاٹنا، بھری مجلس میں گفتگو کے بہانے لمبی تقریر کرنا، جب مخاطب بولے موبائل میں لگ جانا اور سرگوشی کرنا، یہ سب کام صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتے۔

⑦ اپنی زبان کو قابو کرنا

یقیناً زبان کا بے جا استعمال بہت سے مسائل پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے ایک بہترین طریقہ کار سمجھایا ہے، جسے اختیار کر کے ہم اس آلے کا بخوبی استعمال کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ صَمَتَ نَجَا --- [سنن الترمذی]

''جس نے خاموشی اختیار کی وہ کامیاب ہوا'' ---

اپنے آپ کو خاموشی اور سکوت کا عادی بنانا، دراصل اپنی زبان کو خود پر مالک بنانے کے بجائے اس پر مالک بن جانے کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے ضرب المثل ہے:

ایک چپ سو سکھ ---

لہٰذا جب تک خاموشی ہے تب تک معاملات قابو میں ہیں۔ خاموشی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ایک شخص کچھ نہ بولے، بلکہ ماہرین فرماتے ہیں کہ خاموش انسان کی زبان رکی رہتی ہے، جب کہ ذہن بہت اچھی طرح چلتا رہتا ہے۔ وہ بھرپور توجہ کے ساتھ گفتگو سنتا رہتا ہے، خوب سمجھ کر اپنے جواب کو مدلل کرتا ہے اور پھر مختصر مگر پُر اثر بات کہہ کر اپنی خاموشی کو بہترین الفاظ کا لباس پہناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی زبان کی صحیح معنوں میں حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ ان تمام چیزوں اور باتوں سے رُک جائے، جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ آمین!

❁❁❁❁❁

ماہ نامہ نورالحبیب، دسمبر 2021ء

صحافی ایم-اے دیپال پوری

بخدمت گرامی قدر حضرت علامہ مفتی پیر محمد محبّ اللہ نوری صاحب مدظلہ العالی

سلام مسنون کے بعد مودبانہ عرض ہے کہ ماہِ دسمبر 2021ء کا نورالحبیب نظر نواز ہوا، تو مضامین کی فہرست پر نظر پڑتے ہی بے ساختہ میرے منہ سے الفاظ نکلے کہ ماشاءاللہ ماہ دسمبر کے ماہ نامہ نورالحبیب، بصیر پور کا یہ شمارہ تو لاجواب سپر شمارہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی دل بے قرار ہو گیا کہ اس شمارے کی تحسین وتعریف پر تبصرہ بھی ہونا چاہیے۔ قلبی تسکین کے لیے فوراً قلم بدست ہو گیا اور میرے جذبات وخیالات صفحۂ قرطاس پر چمکتے چمکتے ستاروں کی طرح جگمگانے لگے۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ ماہ نامہ نورالحبیب کا ہر شمارا اپنی نفاست، کتابت، طباعت، ترتیب وتزئین اور تحقیقی مضامین کی بدولت ہمیشہ ہی بے مثال ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی کسی شمارے میں ایسے مضامین شاملِ اشاعت ہو جاتے ہیں جو نادر ونایاب مواد اور منفرد عنوانات کے باعث سپر لاجواب درجے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ متذکرہ شمارہ بھی ان شماروں میں سے ایک ہے جو سپر لاجواب شمارہ ہونے کے زمرے میں آتے ہیں۔

مقام مسرت ہے کہ اس مرتبہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی منیب الرحمٰن حفظہ اللہ کا انتہائی گراں قدر مضمون ''بند لفافے میں کیا ہے؟'' اداریے کی زینت بنا ہے۔ انہوں نے ملک کے نازک ترین حالات میں تحریکِ لبیک یارسول اللہ کی بحالی اور پاکستان میں امن وامان کے قیام کے لیے جو تاریخی کردار ادا کیا ہے، اس کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ سنگین حالات کو سنوارنے کے لیے جب تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں، ایسے میں ڈوبتی کشتی کو بھنور سے

نکالنے کے لیے وہ میدانِ عمل میں آئے، انھوں نے مقتدر قوتوں سے کامیاب مذاکرات کر کے جو تاریخی کارنامہ سرانجام دیا، وہ ملک وقوم پر ان کا احسانِ عظیم ہے۔ ان کے مضمون کو پوری توجہ سے پڑھا جانا چاہیے۔ بین الاقوامی اور ملکی میڈیا کے علاوہ معاندین ومخالفین تحریکِ لبیک کے بارے میں اعتراضات وسوالات اٹھاتے رہتے ہیں، متذکرہ مضمون میں ان سب معاملات کا انتہائی تسلی بخش جواب دیا گیا ہے، مزید برآں اس سلسلہ میں آپ کا انتہائی پرمغز اور بصیرت افروز ابتدائیہ سونے پر سہاگے کے مترادف ہے۔

بانئ پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے یوم ولادت کی مناسبت سے پروفیسر سید محمد کبیر احمد مظہر کا ''قائداعظم کا خوش عقیدت گھرانہ'' کے عنوان سے تحقیقی مضمون بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس مضمون کا ہر ہر لفظ انمول اور نادر و انتہائی قابلِ قدر تحریر ہے۔ بابائے قوم کے گھرانے کو مغرب زدہ قرار دینے والے لبرل طبقے اور نئی نسل کو اس منفرد ترین مضمون سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس موضوع پر بانئ پاکستان کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے، یہ تحریر ان لکھاریوں کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے، جو قائداعظم اور ان کے گھرانے کا طرح طرح کے مسالک سے ناتا جوڑتے رہتے ہیں۔ مضمون نگار نے مستند حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ، ان کے آباؤاجداد اور وہ خود شہنشاہِ جیلاں حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ، مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور برصغیر کے تمام اولیائے کرام سے گہری محبت وعقیدت رکھتے تھے۔

مضمون نگار نے اس مضمون کو لکھ کر اور آپ نے یہ مضمون شائع فرما کر نا قابلِ فراموش کارنامہ سرانجام دیا ہے، جس پر آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ بابائے قوم کے یوم ولادت پر یہ مضمون ان کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

''محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی رحلت'' کے عنوان پر طارق محمود میر کا مضمون بھی بہت اہم ہے، جس میں پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کے لیے ان کی خدمات کو سراہا گیا ہے اور ان کی ناقدری کے واقعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''وہ لمحہ کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جب ایک آمر حکمران پرویز مشرف نے ان کو غدار بنا کر قوم کے سامنے پیش کیا اور ان سے معافی منگوائی''---

انھوں نے اس بات پر بھی حیرت کا اظہار کیا ہے کہ صدر، وزیراعظم اور سیاسی پارٹیوں کی قیادت مغرب سے اس قدر خوف زدہ تھی کہ دانستہ ان کے جنازے میں شریک نہ ہوئی، تاکہ کہیں جنازے کی کوریج میں ان کے چہرے سامنے نہ آ جائیں۔ قارئین آپ کے ممنون ہیں

کہ آپ نے ان کے دو اشعار کا قلمی عکس شائع فرمایا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

گزر تو خیر گئی ہے تری حیات قدیر
ستم ظریف مگر کوفیوں میں گزری ہے
ہمارا نام آئے گا تو فوراً لوگ پوچھیں گے
وہی اے کیو! زمانہ میں جو فتنے کرتا پھرتا تھا

''حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کا مناظرانہ مقام'' جو کہ نازش المدنی مرادآبادی کا تحریر کردہ مضمون ہے، انہوں نے مناظرے کے میدان میں امام الہند حضرت علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ کی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، آریہ سماج، روافض، خوارج، قادیانیوں اور مخالف مسالک سے انہوں نے جو مناظرے کیے ہیں، اس کی تاریخ سامنے لائے ہیں اور اس میدان میں ان کی فتوحات کا تذکرہ کیا ہے۔

اس قسم کے مضامین ہر ماہ شائع ہونے چاہییں، جن میں اکابرینِ اہلِ سنت کی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہو۔

سپر لاجواب نور الحبیب کا ہر مضمون تحسین و تعریف کا مستحق ہے، لیکن قرطاس تبصرہ کا دامن اتنا تنگ ہے کہ اس پر بات کو ختم کرنا چاہتا ہوں:

کچھ اور چاہیے وسعت میرے بیاں کے لیے

منصبِ امامت و خطابت، کیا ہم پاکستانی واقعی غریب ہیں؟، ٹھٹھہ ایک تاریخی شہر، جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ، دعا: عبادت کا مغز، تمام مضامین بے مثال ہیں۔ اخباری قطعات اور ابنِ انشاء کا ناصحانہ کلام ''خاموش رہو'' یادگار کلام ہے۔ ''اشاریہ ماہنامہ نور الحبیب'' سال بھر کا انسائی کلوپیڈیا ہے، جو سال کے اختتام پر مدیر اعلیٰ کی جانب سے قارئین کے لیے قابلِ قدر تحفہ ہوتا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ ہر ماہ علمی، ادبی، دینی اور قومی و ملی موضوعات پر سیکڑوں کتابوں کے نچوڑ اور مجموعے پر مشتمل مضامین کے انمول قلمی تحائف عطا فرمانے والی آپ کی ہستی کا مبارک سایہ قائم و دائم رہے، یہ سب آپ کے دم قدم کی بہار ہے۔ خدا کرے کہ اس بہار پر کبھی خزاں نہ آنے پائے۔ آمین

آپ کے دم قدم کی خیر، آپ ہیں تو اونچا ہے
رند کا، ساقی کا، مئے کا، خم کا، پیمانے کا نام

❀❀❀❀❀

حضرت شاہ رکنِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

مرسلہ: علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی

۳/جنوری ۱۳۳۵ء کو حضرت شاہ رکنِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو دادا جان حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کی تدفین کے چند دن بعد حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ، شیخ صدر الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خواب میں آئے اور فرمایا:

''آپ نے قطب الاقطاب کو میری پائینتی میں دفن کر دیا، مجھے سخت تکلیف ہو رہی ہے، آپ انہیں دوسرے مقبرے میں دفن کریں تا کہ میں آرام سے رہ سکوں'' ---

حکم واضح تھا، ملتان کے اولیاء نے دائیں بائیں دیکھا، سامنے غیاث الدین تغلق کا مقبرہ تھا۔ یہ مقبرہ تعمیر اور عقیدت کی عظیم داستان تھا۔ غیاث الدین تغلق دیپال پور کا صوبیدار تھا، دیپال پور ہندوستان کی بڑی چھاؤنی تھی، غیاث الدین تغلق نے زندگی میں اپنا مقبرہ بنوایا۔ مقبرے کی تعمیر کے دوران تغلق نے ایک ایک پیسہ اپنی گرہ سے لگایا اور یہ رقم سو فی صد حلال تھی۔ یہ ہندوستان کی خوب صورت ترین عمارت تھی۔ یہ مشرق میں ۲۶۰/فٹ تک پھیلی تھی، مغرب میں ۲۱۳/فٹ تھی، شمال میں ۲۸۳/فٹ تھی اور جنوب میں اس کی چوڑائی ۲۸۳/فٹ تھی۔ یہ ہشت پہلو عمارت قطر میں ۴۹/فٹ تھی، دیواریں عمودی تھیں، زمین سے اونچائی ۱۶۰/فٹ تھی۔ عمارت تین منزلہ تھی، اوپر وسیع گنبد تھا، یہ گنبد ستونوں کے بغیر بنایا گیا۔ دیواروں میں لکڑی کے شہتیر لگائے گئے اور شہتیروں کے درمیان پتھروں کی چنائی کی گئی۔ مقبرے پر ملتان کی روغنی ٹائلوں کا کام تھا، آیات بھی کندہ کی گئیں اور پچی کاری کا کام بھی ہوا، یہ مقبرہ فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔

غیاث الدین تغلق اس مقبرے میں دفن ہونا چاہتا تھا، لیکن دلی کے تخت پر قطب الدین مبارک شاہ نے قبضہ کر لیا۔ یہ ہندوستان کی تاریخ کا مکروہ ترین کردار تھا، ہم جنس پرست تھا، ہندو لڑکے سے روزانہ شادی کرتا تھا، ایک دن دلہن بنتا تھا اور دوسرے دن دلہا۔ عمائدین سلطنت روز تحفے تحائف لے کر شادی میں شریک ہوتے تھے۔ معشوق لڑکے نے ایک دن اسے قتل کر دیا

اور خسرو پرویز کے نام سے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس نے نعوذ باللہ قرآن مجید کے تمام نسخے جمع کیے، ان کی کرسیاں بنوائیں اور درباریوں کو ان پر بیٹھنے کا حکم دے دیا۔ وہ ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ ترین دور تھا، پورے ملک میں غیاث الدین تغلق واحد شخص تھا، جو مسلمانوں کو اس ظالم شخص سے رہائی دلا سکتا تھا۔ دلی کے مسلمانوں نے تغلق سے اپیل کی، تغلق دلی پہنچا، مسلمانوں کو ظالموں سے نجات دلائی۔ واپس آنے لگا تو دلی کے لوگ قدموں میں گر گئے، وہ مجبور ہو گیا اور یوں تغلق حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔

وہ پوری زندگی لڑتا رہا، یہاں تک کہ تغلق آباد میں کھانا کھا رہا تھا، محل کی چھت گری اور وہ چھت کے نیچے دفن ہو گیا۔ غیاث الدین تغلق کی میت کو ملتان پہنچانا مشکل تھا، چنانچہ اسے دلی میں دفن کر دیا گیا۔ ملتان کا مقبرہ خالی رہ گیا، آپ حسنِ اتفاق ملاحظہ کیجیے، غیاث الدین تغلق کا صاحبزادہ اور ہندوستان کا بادشاہ فیروز شاہ تغلق عین اس دن سندھ سے واپس دلی جا رہا تھا، جب وہ خواب دیکھا گیا۔ وہ ملتان میں رکا، ملتان کے عمائدین نے اسے حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا خواب سنایا۔ وہ اٹھا، عمائدین کے ساتھ قبر کشائی کی، حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے جسدِ مبارک کو کندھا دے کر والد کے خالی مقبرے تک لایا اور اپنے ہاتھوں سے ان کی تدفین کر دی۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، یہ مقبرہ مقبرہ نہیں رہا، یہ مزار بن گیا۔ یہ مزار دنیا بھر میں ملتان کی پہچان بھی ہے۔ دنیا بھر کی کتابوں میں جہاں بھی ملتان کا ذکر آتا ہے، وہاں ساتھ ہی حضرت شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی تصویر شائع ہوتی ہے، اس مزار کی جسے غیاث الدین تغلق نے اپنے لیے بنوایا، لیکن اسے یہاں دفن ہونے کی اجازت نہ ملی اور ہندوستان کی عظیم عمارت حضرت شاہ رکنِ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھ دی گئی۔ اللہ تعالیٰ موت کے بعد صرف اپنے چاہنے والوں کو شناخت عنایت کرتا ہے یا پھر ان لوگوں پر مہربانی فرماتا ہے جو اس کی مخلوق کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ شاہ رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کو پسند تھے، لہٰذا انہیں اس مقبرے میں جگہ عنایت ہو گئی، جو بادشاہ نے اپنے لیے تعمیر کرایا تھا۔ آپ کا نام آج بھی سلامت ہے، لوگ آج بھی عقیدت کے ساتھ گردن جھکا کر آپ کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں، جب کہ غیاث الدین تغلق کا نام صرف کتابوں میں رہ گیا، وہ صرف قصہ بن کر رہ گیا۔ یہ عبرت کی نشانیاں ہیں اور انسان ان نشانیوں سے کچھ سیکھنا چاہے تو یہ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے، لیکن انسان بھی اللہ تعالیٰ کی کتنی عجیب مخلوق ہے، یہ اپنے ہاتھوں سے دوسرے انسانوں کو دفن کرتا ہے، مگر یہ اس کے باوجود خود کو ناگزیر سمجھتا ہے۔

❁❁❁❁❁

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

2022ء کراچی میں امکانِ رؤیتِ ہلال سے متعلق پیش گوئی

خالد اعجاز مفتی

نمبر شمار	برائے قمری ماہ 1443-44ھ	تاریخ عیسوی 2022ء	چاند کی عُمر منٹ۔گھنٹے	غروبِ شمس و قمر میں فرق	کیفیت امکانِ رویت
1	جمادی الثانی 1443ھ	03 جنوری	18-22	40 منٹ	سی
		04 جنوری	42-23	109 منٹ	اے
2	رجب	01 فروری	07-30	12 منٹ	ایف
		02 فروری	31-31	77 منٹ	اے
3	شعبان	03 مارچ	19-59	44 منٹ	بی
		04 مارچ	43-59	101 منٹ	اے
4	رمضان	01/اپریل	07-23	12 منٹ	ایف
		02/اپریل	31-23	67 منٹ	اے
5	شوال	01 مئی	17-32	35 منٹ	ای
		02 مئی	41-32	89 منٹ	اے
6	ذی القعدہ	30 مئی	02-44	04 منٹ	ایف
		31 مئی	26-44	58 منٹ	اے
7	ذوالحجہ	29 جون	11-31	29 منٹ	ایف
		30 جون	35-31	76 منٹ	اے
8	محرم 1444ھ	29 جولائی	20-21	46 منٹ	بی
		30 جولائی	44-21	83 منٹ	اے
9	صفر	27/اگست	05-37	20 منٹ	ایف
		28/اگست	29-36	54 منٹ	اے
10	ربیع الاوّل	26 ستمبر	15-28	29 منٹ	ایف
		27 ستمبر	39-27	63 منٹ	اے
11	ربیع الآخر	25/اکتوبر	02-07	02 منٹ	ایف
		26/اکتوبر	26-06	42 منٹ	بی
12	جمادی الاولیٰ	24 نومبر	13-45	19 منٹ	ایف
		25 نومبر	37-45	77 منٹ	اے
13	جمادی الثانی	23 دسمبر	02-31	منفی 07 منٹ	ایف
		24 دسمبر	26-32	61 منٹ	اے

اے: بآسانی ممکن — بی: بہترین کیفیات میں ہی ممکن

سی: بصری آلات کے ساتھ ممکن — ایف: ہرصورت ناممکن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

نقشہ اوقات نماز برائے بصیر پور شریف ومضافات---ماہ جنوری 2022ء

تاریخ	صبح صادق، ابتدائے فجر وختم سحری	طلوعِ آفتاب، انتہائے فجر	ضحوۂ کبریٰ	ابتداء وقت ظہر	اخیر مثل اوّل	اخیر مثل دوم آغاز وقت عصر	غروب آفتاب	وقت عشاء
-	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا	سیکنڈ منٹ گھنٹا
1	5:36:06	6:59:48	11:26:24	12:08:13	2:57:20	3:39:14	5:16:43	6:40:26
2	5:36:23	7:00:02	11:26:54	12:08:41	2:58:00	3:39:57	5:17:26	6:41:05
3	5:36:38	7:00:14	11:27:24	12:09:08	2:58:42	3:40:41	5:18:10	6:41:45
4	5:36:52	7:00:24	11:27:54	12:09:36	2:59:24	3:41:26	5:18:55	6:42:26
5	5:37:05	7:00:32	11:28:23	12:10:02	3:00:07	3:42:12	5:19:41	6:43:08
6	5:37:17	7:00:39	11:28:52	12:10:29	3:00:50	3:42:59	5:20:27	6:43:49
7	5:37:27	7:00:45	11:29:21	12:10:55	3:01:34	3:43:46	5:21:15	6:44:32
8	5:37:36	7:00:48	11:29:49	12:11:20	3:02:18	3:44:35	5:22:02	6:45:15
9	5:37:43	7:00:50	11:30:17	12:11:46	3:03:03	3:45:23	5:22:51	6:45:58
10	5:37:49	7:00:51	11:30:45	12:12:10	3:03:48	3:46:13	5:23:40	6:46:42
11	5:37:53	7:00:49	11:31:12	12:12:34	3:04:34	3:47:02	5:24:30	6:47:26
12	5:37:56	7:00:46	11:31:38	12:12:57	3:05:19	3:47:53	5:25:20	6:48:10
13	5:37:58	7:00:42	11:32:04	12:13:20	3:06:05	3:48:44	5:26:11	6:48:55
14	5:37:58	7:00:35	11:32:30	12:13:42	3:06:52	3:49:35	5:27:02	6:49:39
15	5:37:56	7:00:27	11:32:55	12:14:04	3:07:38	3:50:26	5:27:53	6:50:24
16	5:37:53	7:00:17	11:33:19	12:14:24	3:08:24	3:51:18	5:28:45	6:51:10
17	5:37:48	7:00:06	11:33:43	12:14:44	3:09:11	3:52:10	5:29:37	6:51:55
18	5:37:42	6:59:52	11:34:06	12:15:04	3:09:57	3:53:02	5:30:30	6:52:41
19	5:37:34	6:59:38	11:34:28	12:15:22	3:10:44	3:53:54	5:31:22	6:53:26
20	5:37:24	6:59:21	11:34:49	12:15:40	3:11:30	3:54:47	5:32:15	6:54:12
21	5:37:13	6:59:03	11:35:10	12:15:57	3:12:16	3:55:39	5:33:08	6:54:57
22	5:37:00	6:58:43	11:35:30	12:16:14	3:13:02	3:56:31	5:34:00	6:55:43
23	5:36:46	6:58:21	11:35:50	12:16:29	3:13:48	3:57:24	5:34:53	6:56:29
24	5:36:30	6:57:58	11:36:08	12:16:44	3:14:33	3:58:16	5:35:46	6:57:14
25	5:36:13	6:57:33	11:36:26	12:16:58	3:15:19	3:59:08	5:36:39	6:58:00
26	5:35:54	6:57:07	11:36:43	12:17:11	3:16:03	4:00:00	5:37:32	6:58:46
27	5:35:33	6:56:39	11:36:59	12:17:23	3:16:48	4:00:52	5:38:25	6:59:31
28	5:35:11	6:56:10	11:37:14	12:17:34	3:17:32	4:01:44	5:39:18	7:00:17
29	5:34:48	6:55:38	11:37:29	12:17:45	3:18:16	4:02:35	5:40:10	7:01:02
30	5:34:22	6:55:06	11:37:43	12:17:55	3:18:59	4:03:26	5:41:03	7:01:47
31	5:33:56	6:54:32	11:37:55	12:18:04	3:19:42	4:04:17	5:41:55	7:02:32

● ......**گھڑیاں درست رکھیں**

83 اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ 83

پہلے مرحلہ میں (تین منزلوں) کا کام (Gray Structure) تقریباً مکمل ہو چکا ہے، جس پر اب تک اڑھائی کروڑ روپے کے لگ بھگ خرچ ہو چکے ہیں، جب کہ اس کی تیاری (Finishing) پر مزید دو کروڑ روپے لاگت آئے گی۔

دینی درد اور علوم دینیہ سے محبت رکھنے والوں کو اس کار خیر میں حصہ ڈالنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ آپ کے عطیات آپ کے لیے صدقہ جاریہ اور دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ بنیں گے۔ ان شاء المولیٰ تعالیٰ

نوٹ: عطیات کی رقم براہ راست یا بذریعہ بنک بھجوائیں

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری
مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور شریف ضلع اوکاڑا

بینک: نیشنل بنک آف پاکستان (بصیرپور 0310)
اکاؤنٹ نمبر: 03061988588
IBAN: PK34NBPA0310003061988588

موبائل نمبر: 0300-4321088, 0345-7526622, 0306-5696666

عرس حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ و اجلاس دارالعلوم، مورخہ 3-4 / فروری 2022ء، جمعرات، جمعۃ المبارک

Book No. 34 Serial No. 1
Januray, 2022
Monthly "NOOR-UL-HABIB" Basirpur
Regd No. PS / CPL - 25
ISSN 1993-4238